الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

جولائی
2025

نعمت کی ناشکری

بارش کی ہر بوند آسمان سے اترتا ہوا ایک نامۂ رحمت ہے۔ یہ بوندیں زمین کے سینے کو چیرتی ہیں، اسے سیراب کرتی ہیں، اور اس سے سبزے، پھل پھول اور زندگی کے رنگ اگاتی ہیں؛ لیکن آج ہم اس نعمت کی قدر کھو رہے ہیں۔ ہمارے دریا سوکھ رہے ہیں، ہمارے تالاب گندلے ہو رہے ہیں، اور ہماری زمین پانی کے لیے ترس رہی ہے۔ یہ گویا ہمارے ہاتھوں اپنی ہی زندگی کا گلا گھونٹنے کے مترادف ہے۔ آج جو ہم پانی کے بحران کی لپیٹ میں ہے، دریا خشک ہو رہے ہیں، زیر زمین پانی کی سطح گر رہی ہے، اور آلودگی نے صاف پانی کو نایاب بنا دیا ہے، تو یہ بحران محض مادی نہیں، بلکہ روحانی بھی ہے۔ جب ہم پانی کو ضائع کرتے ہیں، تو گویا ہم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناشکری کرتے ہیں جسے قرآن نے حیات کا سرچشمہ قرار دیا۔

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ مبارک پور

اشرفیہ

زیر سرپرستی

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ

عبدالحفیظ عزیزی

سربراہِ اعلیٰ

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

THE ASHRAFIA MONTHLY Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404

جلد نمبر 50 شمارہ 7

جولائی 2025ء

محرم 1447ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : **مبارک حسین مصباحی**

منیجر : محمد محبوب عزیزی

تزئین کار : مہتاب پیامی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی

مولانا محمد ادریس بستوی

مولانا محمد عبد المبین نعمانی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

+91 9935162520 (Manager)

زرِ تعاون

قیمت عام شمارہ: 30 روپے

سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپے

سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپے

سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ

750 روپے

دیگر بیرونی ممالک

$25 امریکی ڈالر £20 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org

Email : ashrafiamonthly@gmail.com

mubarakmisbahi@gmail.com

info@aljamiatulashrafia.org

BHIM

BHIM UPI Payments Accepted at

ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY

A/c No. 3672174629

Central Bank Of India

Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپواکر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ		بِن پانی سب سون	مہتاب پیامی	5
قرآنیات	تفہیم قرآن	مرد و عورت ایک دوسرے کا لباس ہیں	مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری	9
فقہیات	آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں علمائے دین	مفتی محمد نظام الدین رضوی	12
نظریات	فکر امروز	مدارس اسلامیہ، مسائل، مشکلات....	مفتی ساجد رضا مصباحی	14
اسلامیات	شعاعیں	نفلی حج یا تعلیمی اور رفاہی خدمات	ڈاکٹر جہانگیر حسن مصباحی	18
شخصیات	انوار حیات	حضرت اسماعیل علیہ السلام کی داستان حیات	ابوالتمش اعظمی	20
		صدر الشریعہ کا علمی و روحانی تسلسل	محمد اشفاق عالم امجدی	25
		صدر الشریعہ حیات و خدمات	عادل رضا پورنوی	26
		مجمع البحرین- چند یادیں اور باتیں	مبارک حسین مصباحی	27
سیاسیات	آئینۂ عالم	عالمی میڈیا کا مکروہ چہرہ	ڈاکٹر ظہور احمد دانش	32
تاریخیات	یاد ماضی	مبارک پور کی معاشی و معاشرتی تاریخ	مہتاب پیامی	34
طبیات	حفظان صحت	دوران حمل اسکریننگ	ڈاکٹر ام فرح (ایم. ڈی)	41
بزم خواتین	چراغ خانہ	عصری تناظر میں قدیم ہندوستانی عورت	عادل فراز	43
بزم دانش	فکر و نظر	قربانی کے سماجی پہلو	مفتی مسرور عالم قادری/حافظ افتخار احمد قادری۔سبطین رضا مصباحی	45
ادبیات	نقد و نظر	مشاجرات صحابہ	تبصرہ نگار: مولانا فرحان المصطفیٰ نظامی	51
مکتوبات	صدائے بازگشت		محمد شارق رضا کوشامبی/مفتی مسرور عالم قدری/محمد شاہد رضا نعمانی	52
سرگرمیاں	عالمی خبریں		ہند پاک کشیدگی	54
	خیر و خبر		جامعہ اشرفیہ میں عرس صدر الشریعہ/بنارس میں عرس صدر الشریعہ و تاج الشریعہ/ملک بھر میں بتی گل احتجاج/زعیم العلما کو چنگ سینٹر	55
منظومات	خیابانِ حرم		مہتاب پیامی/ارشاد مبارک پوری/مظہر چشتی/ماسٹر نور الہدیٰ نور	58

اداریــــــــہ

...بِن پانی سب سُون

پانی کا بحران — ایک بڑے تغیر کی ابتدائی داستان

مہتاب پیامی

زمین نام کا یہ نیلا سبز کرہ، ہر آن ماورائی رقص میں مصروف ہے، اس کا محور، جو تقریباً 23.5 ڈگری پر جھکا ہوا ہے، مسلسل اپنے دائرے میں مگن ہے۔ اس کا ہر چکر، دن رات کی قوس قزح کو ترتیب دیتا ہے، ہر جھکاؤ موسموں کی موسیقی کو جنم دیتا ہے، اس کا یہ رقص نظامِ کائنات کے ساتھ ایک لطیف ہم آہنگی کے دائرے میں مدتِ مدید سے قائم ہے۔ یہ جھکاؤ موسموں کی ترتیب، دنوں کی مدت، اور زندگی کی گردش کا محافظ ہے۔ مگر سوچیے تو ذرا کہ اگر اس کی سمت یا شدت بدل جائے تو کیا ہوگا؟ اگر یہ رقاصہ اپنی چال میں لغزش کھالے تو کیا ہوگا؟

اب تک تو ایسا نہیں ہوا مگر لگتا ہے اب اس کی ہم آہنگی کی لے بگڑنے والی ہے، اب زمین کا محور کچھ اس طرح تھر تھرا رہا ہے، جیسے کوئی تھکی ہوئی رقاصہ، جس کی پازیب کی جھنکار مدھم پڑ گئی ہو۔ ایسا ہم اس لیے کہ رہے ہیں کہ ایک نئی تحقیق میں کہا گیا ہے کہ ہندوستان میں زمینی پانی کی ضرورت سے زیادہ پانی نکالنے کے سبب کرۂ ارض کا توازن بگڑ رہا ہے اور ممکنہ طور پر زمین اپنے محور سے منتقل ہو رہی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اگر اس کا مناسب سدباب نہ کیا گیا تو یہ دن اور رات کے چکر میں خلل ڈال سکتا ہے اور دنیا بھر میں خوراک اور پانی کی شدید قلت جیسے متعدّد بحرانوں کا باعث بن سکتا ہے۔ ناسا کی ایک تحقیق سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ 1993 اور 2010 کے درمیان، بھارت، بنگلہ دیش، پاکستان اور چین میں تقریباً 54 کھرب لیٹر زمینی پانی کے بڑے پیمانے پر اخراج نے زمین کے محور کو 78 سینٹی میٹر مشرق کی طرف منتقل کیا۔ زمین کے محور پر یہ زخم اُس پانی نے لگایا ہے جس کو انسان نے زمین کے شکم سے بے دردی کے ساتھ کھینچ کر باہر نکال لیا اور ضائع کر دیا۔

پانی، ایک عظیم نعمت ہے جو زمین کے سینے سے پھوٹتی ہے، آسمان سے برستی ہے، اور زندگی کے ہر رنگ کو سیراب کرتی ہے۔ یہ محض ایک مادّی عنصر نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا وہ آئینہ ہے جس میں رحمت، حکمت اور عظمت کے رنگ جھلکتے ہیں۔ یہ وہ گوہرِ نایاب ہے جو زندگی کا سرچشمہ ہے، زمین کے سینے میں موتیوں کی مانند چمکتا ہے اور آسمان سے رحمت بن کر برستا ہے۔ یہ وہ نعمتِ خداوندی ہے جو ہر جاندار کے وجود کو سیراب کرتی ہے، مگر افسوس کہ آج اسی پانی کی قدر و قیمت کو انسان نے اپنی بے پروائی سے گہنا دیا ہے۔ وہ پانی جو کبھی زندگی کا استعارہ تھا، آج موت کا پیغام بن چکا ہے۔ بھارت، جو کبھی دریاؤں، ندیوں اور جھیلوں کی نغمہ سرا دھرتی کہلاتا تھا، آج ایک تشنہ لب قافلہ کی صورت نظر آ رہا ہے جو اپنی پیاس بجھانے کے لیے اپنی ہی زمین سے خراج مانگ رہا ہے۔ زیرِ زمین پانی کے خزانے جس تیزی سے نکالے جا رہے ہیں، وہ زمین کے توازن کو دھیرے دھیرے ڈگمگانے پر مجبور کر رہے ہیں۔ اور یہ معمولی تبدیلی، جو ہر سال صرف 10 سینٹی میٹر کروٹ بدلتی ہے، اپنے اندر انسانی تاریخ اور زمینی جغرافیے کا دھارا موڑ دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

بھارت میں ہر سال 250 سے 260 مکعب کلو میٹر پانی، زمین کے سینے سے نچوڑا جا رہا ہے۔ یہ وہ مقدار ہے جو امریکہ اور چین

کے مجموعی استعمال سے بھی زیادہ ہے۔ گو کہ چین اور امریکہ بھی پانی کے ان خزینوں کے خریدار ہیں، مگر ان کی پیاس ہندوستان کی بے تابی کا سامنا نہیں کرسکتی۔ سعودی عرب اور ایران کی زمینیں بھی اس تشنگی کی دوڑ میں شامل ہیں، مگر ان کے طلب ورسد کی میزان اب بھی ہمارے قدموں کے نشان سے چھوٹی ہے۔ بھارت میں اس بے رحمانہ استحصال کی بنیادی وجہ وہ زرعی نظام ہے، جسے ہم ترقی کا تاج پہنا کر فطرت کی لاش پر جشن مناتے رہے ہیں۔ چاول، گنا، اور گندم جیسی فصلیں — جنھیں زندگی کی علامت کہا جاتا تھا — اب زمین کا شکم چیر کر اپنا وجود برقرار رکھنے کی جدوجہد کر رہی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ صرف پانی کے بحران کی کہانی نہیں — یہ وقت، زمین، اور کائنات کی گہرائیوں میں پنہاں ایک بڑے تغیر کی ابتدائی داستان ہے۔

پنجاب، ہریانہ، راجستھان، اترپردیش، اور تمل ناڈو — یہ وہ ریاستیں ہیں جہاں کی زمین کبھی نہ ختم ہونے والی تشنگی اور تباہی کی علامت بن چکی ہے، یہاں کا کسان، جو کبھی بارش کے ایک بوند پر سجدہ ریز ہوتا تھا، اب موٹر اور بورویل کی گرج میں فطرت کی سرگوشیاں سننے سے قاصر ہو چکا ہے اور دہلی، بنگلور، چنئی جیسے شہر جو کبھی تمدن کے سنگھاسن پر براجمان تھے اب پانی کی بوند بوند کو ترسنے لگے ہیں۔

جب انسان نے زمین سے اس کا وزن چھین لیا تو زمین بھی توازن کھونے لگی۔ جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا؛ تحقیقی اداروں کے مطابق 1993 سے 2010 تک، برصغیر سے 54 کھرب لیٹر پانی نکالے جانے کے سبب زمین کا قطب شمالی 78 سینٹی میٹر مشرق کی جانب سرک گیا۔ یہ کوئی معمولی چیز نہیں، یہ گویا زمین کی سانسوں کے بھٹک جانے کا عمل ہے، اگر یہ عمل اسی رفتار سے جاری رہا، تو زمین کے محور کی تبدیلی، شب و روز کے چکر میں بھی خلل ڈال سکتی ہے۔ تصور کیجیے — جب دن بے ترتیب ہو جائیں، راتیں بے معنی ہو جائیں، اور وقت کا پہیہ بے رخ ہو جائے تو اس انسان کا کیا ہوگا؟؟؟

یاد رکھیے! محور کی یہ تبدیلی مانسون کی آمد کو مزید بے وقت بنا دے گی، قطبین پر سورج کی شعاعوں کا دائرۂ کار بڑھائے گی، برف کی چادروں کو پگھلائے گی، پھر کہیں قحط ہوگا، کہیں طوفان، کہیں خشک سالی ہوگی تو کہیں بے موسم بارشیں اور انسان کی زندگی تہ و بالا ہو کر رہ جائے گی۔ قطبی برف کا پگھلنا صرف شمال کی سنسان زمینوں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ سمندری سطح کو بڑھا کر، ممبئی اور کولکاتا جیسے شہروں کو نگلنے کی دھمکی بھی ہے۔ بنگلہ دیش کے ساحلی علاقے، جو پہلے ہی قدرتی آفات کی زد میں ہیں، سمندر کی آغوش میں سما سکتے ہیں۔ گلف اسٹریم جیسے بحری دھارے کمزور پڑ سکتے ہیں، اور یورپ کی سردیاں غیر معمولی شدت اختیار کر سکتی ہیں۔

محور کی تبدیلی دن اور رات کی مدت کو بھی بدل سکتی ہے۔ قطب شمالی اور جنوبی پر مہینوں کی تاریکی یا روشنی کا راج ہو سکتا ہے۔ یہ تبدیلی فصلوں کے موسموں کو بگاڑ دے گی، اور گندم، چاول جیسی بنیادی اجناس کی پیداوار کم ہو سکتی ہے۔

زمین کو صرف ایک ٹھوس کرّہ نہ سمجھیے، اسے ایک زندہ جسم سمجھیے، اس زندہ جسم کے سینے میں جو آگ ہے، وہ تب تک پُرامن رہتی ہے جب تک ہم اس کے توازن کو نہ چھیڑیں۔ مگر جب محوری جھکاؤ زمین کے اندرونی دباؤ کو چھیڑتا ہے، تو وہی زمین زلزلوں اور آتش فشاں کے ذریعے احتجاج کرتی ہے۔ بحرالکاہل کے "رِنگ آف فائر" میں سرگرمیاں تیز ہوتی ہیں، اور طوفانوں کی شدت میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہ محض پانی کا بحران نہیں یہ انسان کی عاقبت نااندیشیوں کے خلاف فطرت کا انتقام ہے، ایک ایسا انتقام جو خاموشی سے سب کچھ بدل رہا ہے۔ زمین کی تہ میں خالی جگہوں کے سبب "land subsidence" یعنی زمینی نشست کے آثار دہلی، کولکتہ اور ممبئی جیسے شہروں میں ظاہر ہو چکے ہیں۔ یہ شہر اب زمین میں دھنستے جا رہے ہیں، جیسے فطرت انھیں سزا کے طور پر، یا شاید پناہ کے طور پر واپس

اپنی آغوش میں لے جانا چاہتی ہو۔ ندیوں کا بہاؤ کم ہوتا جارہا ہے۔ یمنا، گوداوری اور کرشنا کی آنکھیں خشک ہوچکی ہیں۔ کیوں کہ جب زمین کے نیچے پانی نہ ہو، تو اوپر کی روانی بھی تھمنے لگتی ہے۔ یہ وہی دریا ہیں جو کبھی تہذیبوں کی نرسری کہلاتے تھے، اور آج اپنی زمین کے سینے سے بچھڑ کر سسک رہے ہیں۔ یہ صرف ایک ماحولیاتی مسئلہ نہیں، بلکہ ہماری اجتماعی بقا کا سوال ہے۔ اگر ہم نے اس پیاس کی گہرائی کو نہ سمجھا، تو کل یہ زمین ہمیں اپنے سینے میں جگہ دینے سے بھی گریزاں ہوجائے گی۔

وہ خوف ناک مسائل جو کسی اژدہے کی طرح انسان کے وجود کو نگلنے کے لیے مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں، ان کا حل کیا ہے؟ آج کی دنیا کو اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں؛ ان مسائل کا حل اسلام کے درسِ اعتدال میں پوشیدہ ہے۔ اسلامی تعلیمات پر اگر خلوص نیت سے عمل کیا جائے تو یقیناً مکمل طور پر ان مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید نے پانی کو حیات کا سرچشمہ قرار دیا اور اس کی قدر و منزلت کو بارہا بیان کیا ہے۔ آج، جب ساری دنیا پانی کے بحران سے دوچار ہے اور اس بحران کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نت نئے مسائل انسان کے لیے ہر لمحہ ایک نئی امتحان گاہ ترتیب دے رہے ہیں، ایسے پر آشوب عہد میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اس نعمت کی اہمیت اور اسے بچانے کی ضرورت کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا از حد ضروری ہے۔

بے شک پانی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا، کیا پھر بھی وہ ایمان نہیں لاتے؟" (الانبیاء:30)

غور تو کیجیے! اس آیت مقدسہ میں پانی کی عظمت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے جیسے وہ کائنات کی روح ہو۔ پانی نہ ہو تو زمین بنجر، دل ساکت، اور زندگی خاموش ہوجائے۔ یہ اللہ کی رحمت کا وہ گوہر ہے جو صحراؤں کو گلزار بناتا اور خشک دلوں کو ایمان کے نور سے منور کرتا ہے۔

دیکھیے! ہمارے آقا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پانی کو نہ صرف زندگی کا ذریعہ قرار دیا بلکہ اسے پاکیزگی اور طہارت کا سب سے بڑا وسیلہ بھی بتایا۔ ارشاد ہے: "پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی، سوائے اس کے کہ اس کا رنگ، بو یا ذائقہ بدل جائے۔" (سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر 66)

یہ حدیث پانی کی فطری پاکیزگی کی گواہی دیتی ہے، جیسے کوئی روشن آئینہ جو اپنی شفافیت سے ہر پل اپنی پاکی کا اعلان کرتا ہے۔ لیکن جب ہم اس کو ضائع کرتے ہیں یا اسے آلودہ کرتے ہیں، تو گویا ہم اس رحمتِ الٰہی کی توہین کرتے ہیں جو ہمیں عطا کی گئی۔

سورۃ الشوریٰ آیت: 28 میں ارشاد باری ہے:

"وہی ہے جو ناامیدی کے بعد بارش نازل کرتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے۔"

یقیناً بارش کی ہر بوند آسمان سے اترتا ہوا ایک نامۂ رحمت ہے۔ یہ بوندیں زمین کے سینے کو چیرتی ہیں، اسے سیراب کرتی ہیں اور اس سے سبزے، پھل پھول اور زندگی کے رنگ اگاتی ہیں۔ لیکن آج ہم اس نعمت کی قدر کھو رہے ہیں۔ ہمارے دریا سوکھ رہے ہیں، ہمارے تالاب گندلے ہو رہے ہیں، اور ہماری زمین پانی کے لیے ترس رہی ہے۔ یہ گویا ہمارے ہاتھوں اپنی ہی زندگی کا گلا گھونٹنے کے مترادف ہے۔ آج جو ہم پانی کے بحران کی لپیٹ میں ہے، دریا خشک ہو رہے ہیں، زیرِ زمین پانی کی سطح گر رہی ہے، اور آلودگی نے صاف پانی کو نایاب بنادیا ہے، تو یہ بحران محض مادی نہیں، بلکہ روحانی بھی ہے۔ جب ہم پانی کو ضائع کرتے ہیں، تو گویا ہم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناشکری کرتے ہیں جسے قرآن نے حیات کا سرچشمہ قرار دیا۔

سورہ واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"بھلا بتاؤ، جو پانی تم پیتے ہو، کیا تم نے اسے بادل سے اتارا یا ہم نے اتارا؟" (آیت: 68،69)

یہ آیات ہمیں پانی کی قدر کرنے اور اس کے تحفظ کی دعوت دیتی ہیں۔ پانی کو ضائع کرنا گویا اس رحمت کو ٹھکرانا ہے جو اللہ نے ہمیں عطا کی۔ قرآن نے ہمیں اعتدال کا سبق دیا ہے، یہ اعتدال ہر جگہ ہر مقام پر اور ہر حال میں ضروری ہے۔ سورۃ الاعراف میں ارشاد ہے:

"کھاؤ اور پیو، مگر اسراف نہ کرو، بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (آیت: 31)

یاد رکھیے پانی کا بے جا استعمال بھی اسراف ہے، اور اسراف اللہ کو سخت ناپسند۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اعتدال اور میانہ روی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آپ نے پانی کے استعمال میں بھی اسی اعتدال کی تلقین فرمائی۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو وضو کرتے ہوئے زیادہ پانی استعمال کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"اسراف نہ کرو، چاہے تم بہتے دریا کے کنارے ہی وضو کر رہے ہو۔" (سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر 425)

یہ الفاظ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ پانی، چاہے وہ دریا کی روانی ہو یا کنویں کی گہرائی، ہر حال میں اسے احتیاط سے استعمال کرنا ہماری دینی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔ یہ گویا ایک امانت ہے جو ہمیں سونپی گئی، اور اس امانت میں خیانت ہمارے ایمان کی کمزوری کا مظہر ہے۔ ہمیں اپنے گھروں، کھیتوں اور شہروں میں پانی کے استعمال میں احتیاط کرنی چاہیے، دریاؤں اور جھیلوں کو آلودگی سے بچانا، بارش کے پانی کو محفوظ کرنا، اور پانی کے تحفظ کے لیے اجتماعی کوششیں کرنا ہمارا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کی حفاظت اور اس کی منصفانہ تقسیم پر بھی زور دیا۔ ایک موقع پر فرمایا:

"مسلمانوں کے درمیان تین چیزیں مشترک ہیں: پانی، چراگاہ اور آگ۔" (سنن ابی داؤد، کتاب الاجارہ، حدیث نمبر 3477)

یعنی پانی کوئی نجی ملکیت نہیں بلکہ ایک اجتماعی نعمت ہے، جو ہر جان دار کا حق ہے۔ جب ہم پانی کو ضائع کرتے ہیں یا اسے آلودہ کرتے ہیں، تو ہم نہ صرف اپنی نسلوں کے حق کو غصب کرتے ہیں بلکہ اس رحمتِ الٰہی کو بھی داغ دار کرتے ہیں جو سب کے لیے عطا کی گئی ہے۔

پانی کو بچانا صرف ایک مادی عمل نہیں، بلکہ یہ ایک روحانی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ جب ہم پانی کو بچاتے ہیں، تو گویا ہم اپنے ایمان کو جلا دیتے ہیں۔ جب ہم اسے آلودگی سے محفوظ رکھتے ہیں، تو گویا ہم اپنے دلوں کو پاکیزہ بناتے ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہمیں یہ درس دیتی ہیں کہ پانی کی حفاظت ہمارا دینی فریضہ ہے، اور اس فریضے کی ادائیگی ہی ہمارے معاشرے کو سرسبز و شاداب بنا سکتی ہے۔

بے شک پانی ہی تو زمین کو جنت زار بناتا ہے، پانی ہی تو ہر سانس، ہر نبض، اور ہر لمحے کے ساتھ ہماری زندگی کو رواں رکھتا ہے۔ آئیے، ہم عہد کریں کہ اس گوہرِ نایاب کی قدر کریں گے، اسے ضائع ہونے سے بچائیں گے اور اس کی پاکیزگی کو برقرار رکھیں گے، تاکہ ہماری آنے والی نسلیں بھی اس رحمتِ الٰہی سے فیض یاب ہو سکیں۔

▪▪▪

تفہیم قرآن

مرد و عورت ایک دوسرے کا لباس ہیں

کیوں اور کیسے؟

محمد حبیب اللہ بیگ ازہری

اللہ وحدہ لاشریک کا ارشاد ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ [سورۂ بقرۃ:187]

یعنی تمھاری عورتیں تمھارا لباس ہیں، اور تم ان کا لباس ہو۔

یہ آیت مبارکہ سورۂ بقرہ کی ایک طویل آیت کا جزء ہے، جس میں قرآن کریم نے میاں بیوی کے پاکیزہ رشتے کی حقیقت بیان کرتے ہوئے مرد کو عورت کا اور عورت کو مرد کا لباس قرار دیا، اس تشبیہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں لباس کی حقیقت، اس کے طریقۂ استعمال اور اس کے اغراض و مقاصد پر غور کرنا ہوگا، تبھی اس تشبیہ کی معنویت سمجھ میں آئے گی، اور رشتۂ ازدواج کی حقیقت واضح ہوگی، تو آئیے ہم یہاں اس تشبیہ کے کچھ اسرار و نکات جاننے کی کوشش کرتے ہیں، سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ لباس کے حوالے سے چار چیزیں بڑی اہم اور توجہ طلب ہوتی ہیں۔

1- لباس کی ضرورت و اہمیت -2- اچھے لباس کا انتخاب

3- لباس کا صحیح طریقۂ استعمال -4- لباس کے اغراض و مقاصد

ہم یہاں انھی چار نکات کی روشنی میں تشبیہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

1- لباس کی ضرورت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ لباس انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، لباس کے بغیر انسان ادھورا اور نامکمل ہے، قرآن نے میاں بیوی کے رشتے کو لباس قرار دیا، تاکہ یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے کہ جس طرح لباس انسان کی بنیادی ضرورت ہے، بالکل اسی طرح ازدواجی تعلق بھی بنیادی ضرورت ہے، جس طرح لباس کے بغیر انسان ادھورا اور نامکمل ہے بالکل اسی طرح نکاح کے بغیر زندگی ادھوری اور نا تمام ہے، اسی لیے قرآن کریم نے نکاح کو مشروع کیا، اور فرمایا:

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ [سورۂ نساء:3]

یعنی اپنے پسند کی دو دو، تین تین، اور چار چار عورتوں سے نکاح کرو، اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو، یا اپنی باندیوں کے ساتھ رہو۔

اس آیت میں نکاح کی تعلیم دی گئی، بشرط انصاف چار کی اجازت دی گئی، بصورت دیگر ایک ہی پر اکتفا کرنے کا حکم دیا گیا، کیوں کہ نکاح انسان کی بنیادی ضرورت ہے، شاید اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی خصوصی ترغیب دلائی، اور فرمایا:

يا مَعْشَرَ الشَّبابِ من استطاعَ منكم البَاءَةَ فليتزوَّجْ، فإنَّه أَغَضُّ للبَصَرِ، وأحصَنُ للفَرْجِ، ومَن لم يستطِعْ فعليه بالصَّومِ؛ فإنَّه له وِجَاءٌ. (صحیح بخاری)

اے جوانو! جو تم میں نکاح کی استطاعت رکھے وہ نکاح کر لے کیوں کہ اس سے نگاہیں محفوظ ہوں گی، اور جذبات قابو میں رہیں گے، اور جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا وہ روزہ رکھے، کیوں کہ روزہ اس کے لیے ڈھال ہوگا۔

2- دنیا میں بہت سے لباس ہوتے ہیں، لیکن ہر لباس قابل استعمال نہیں ہوتا، اسی لیے لباس کے انتخاب میں بڑے احتیاط کی ضرورت ہے، قرآن نے رشتۂ ازدواج کو لباس سے تعبیر کیا، تاکہ ہر شخص بھرپور غور و فکر کے بعد اپنے لیے رفیق حیات کا انتخاب کرے، قرآن کریم نے رشتوں کے باب میں دو چیزوں کی خصوصی تعلیم دی، ایک یہ کہ مسلمان، مسلمان سے رشتہ کرے، دوسرے یہ کہ اچھے، اچھوں سے رشتہ قائم کرے، مسلمانوں سے رشتے کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ

خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾

[سورۂ بقرہ:221]

یعنی مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، یقیناً مومن باندی، مشرکہ سے زیادہ بہتر ہے، اگرچہ وہ تمھیں پسند آجائے، اور تم اپنی بچیوں کا نکاح مشرکوں سے نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، اور یقیناً مومن غلام، مشرک سے زیادہ بہتر ہے، اگرچہ وہ تمھیں پسند آجائے، کیوں کہ وہ تمھیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ تمھیں جنت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے، اور اللہ اسی طرح تم سے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

قرآن نے اچھے رشتے کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾

[سورۂ نور:26]

بری عورتیں برے مردوں کے لیے، اور برے مرد بری عورتوں کے لیے ہیں، اچھے مرد اچھی عورتوں کے لیے، اور اچھی عورتیں اچھے مردوں کے لیے ہیں، اچھے، بروں کی باتوں سے بری ہیں، ان کے لیے مغفرت اور اچھا رزق ہے۔

قرآن کریم نے ان دونوں آیات میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ایمان اور صالح فطرت کی بنیاد پر رفیق حیات کا انتخاب کریں، کیوں کہ کوئی کافر کسی مسلمان عورت کا رفیق حیات نہیں ہوسکتا، کوئی بد چلن کسی نیک سیرت خاتون کا شریک حیات نہیں بن سکتا۔

3- لباس کے انتخاب میں لوگوں کی ترجیحات مختلف ہوتی ہیں، لوگ اپنے طور پر عمدہ، آرام دہ، اور خوب صورت لباس پسند کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ یہی سب سے بہترین لباس ہے، جب کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ [سورۂ اعراف:26]

اور سب سے بہترین لباس پرہیز گاری کا لباس ہے۔

جو صورت حال لباس کے انتخاب کی ہوتی ہے کچھ وہی صورت نکاح کے باب میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے، لوگ صرف حسب ونسب، حسن وجمال اور مال ودولت دیکھ کر نکاح کر لیتے ہیں، اور یہ بھول جاتے ہیں کہ سب سے بہترین رشتہ وہ ہے جس کی بنیاد تقوی اور پرہیز گاری پر استوار ہوتی ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریک حیات کے انتخاب میں تقوی اور دین داری کو معیار بنانے کا حکم دیا، ارشاد گرامی ہے:

تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها، فاظفر بذات الدين تربت يداك.(صحیح بخاری)

یعنی عورت سے اس کے مال ودولت، اس کے حسب ونسب، اس کے حسن وجمال اور اس کے دین ومذہب کی بنیاد پر نکاح کیا جاتا ہے، تم دین دار عورت کو پاکر کامیابی حاصل کرو۔

یعنی جس طرح پرہیز گاری کا لباس سب سے بہترین لباس ہے، بالکل اسی طرح دین دار عورت سب سے بہترین ساتھی ہے، اسی لیے دین دار اور پابند شرع رفیق حیات کا انتخاب کیا جائے۔

4- قرآن کریم نے میاں بیوی کے رشتے کو نعل نہیں کہا، جسے پیروں تلے روندا جائے، تاج نہیں کہا، جسے سر پر سجا کر رکھا جائے، زیور نہیں کہا، جس سے مخصوص طبقے کو زینت بخشی جائے، بلکہ لباس کہا، جو ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اور جو ہمہ وقت دل سے قریب اور جسم سے متصل ہوتا ہے، قرآن نے میاں بیوی کے رشتے کو لباس کہہ کر اس امر کی تعلیم دی کہ زوجین میں ایسے ہی قرب واتصال ہونا چاہیے جس طرح لباس اور صاحب لباس میں ہوتا ہے، جس طرح لباس اور صاحب لباس کے درمیان کوئی شے حائل نہیں ہوتی، میاں بیوی کے درمیان بھی کسی تیسرے فرد کو حائل نہیں ہونا چاہیے، دونوں کو چاہیے کہ ایک دوسرے کے راز داں اور خیر خواہ بن کر رہیں، یہی اس رشتے کا حسن ہے، اور یہی اس رشتے کے دوام واستحکام کا ذریعہ ہے۔

5- لباس کے تین اہم اور بنیادی مقاصد ہوتے ہیں، ایک

ستر پوشی، دوسرے زینت، تیسرے موسمی اثرات سے حفاظت، قرآن کریم نے میاں بیوی کے رشتے کو لباس سے تعبیر کیا، تاکہ زوجین رشتۂ ازدواج سے منسلک ہونے کے بعد ایک دوسرے کے اسرار و محارم کی حفاظت کریں، اور آپس کے عیوب کی پردہ پوشی کریں، قرآن کریم نے ان عورتوں کی ستائش کی جو اپنے شوہروں کے اسرار و محارم کی حفاظت کرتی ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ [سورۂ نساء:34]

یعنی نیک عورتیں وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت کرتی ہیں، شوہروں کا حکم مانتی ہیں، اور شوہروں کی غیر موجودگی میں اپنی عزت کی حفاظت کرتی ہیں، اور شوہروں کے املاک کی نگہبانی کرتی ہیں۔

اسی طرح حدیث پاک میں اس شخص کی مذمت آئی ہے جو اپنے محارم کی حفاظت نہیں کرتا، ارشاد نبوی ہے:

إن شر الناس عند الله منزلة يوم القيامة الرجل يُفضي إلى امرأته وتُفضي إليه، ثم ينشر سرها .(صحیح مسلم)

یعنی قیامت کے دن اللہ کے حضور سب سے برا وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں رہے، پھر اپنی زوجہ کا راز فاش کردے۔

ان دونوں آیات واحادیث کے بموجب مرد پر ضروری ہے کہ وہ عورت کے اسرار و محارم کی حفاظت کرے، اور عورت پر ضروری ہے کہ وہ مرد کے اسرار و محارم کی حفاظت کرے، یہی رشتہ زوجیت کا تقاضا ہے، یہی لباس کا مقصد ہے، اور اسی سے ازدواجی تعلقات کو دوام واستحکام حاصل ہوتا ہے۔

لباس کا دوسرا اہم مقصد زینت ہے، قرآن نے رشتۂ ازدواج کو لباس سے تعبیر کیا جس سے اس امر کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ زوجین میں ہر ایک کی زینت دوسرے سے وابستہ ہے، جب عورت نیک سیرت، پاک طینت، امانت دار، وفاشعار، شکر گزار اور حیادار ہوتی ہے تو شوہر کے لیے باعث سعادت ہوتی ہے، اور جب مرد نیک سیرت، پاک طینت، خوش اخلاق، کشادہ ظرف، دور اندیش، اور صاحب بصیرت ہوتا ہے تو بیوی کے لیے باعث افتخار ہوتا ہے، اس طرح دونوں کی عزت وآبرو ایک دوسرے سے وابستہ ہوتی ہے، دونوں ایک دوسرے کے لیے سامان زینت اور باعث عزت ہوتے ہیں۔

لباس کا تیسرا اور آخری مقصد موسمی اثرات سے حفاظت ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ﴾ [سورۂ نحل:81]

اللہ نے تمھارے لیے کچھ لباس بنایے، جو تمھیں گرمی سے بچاتے ہیں، اور کچھ لباس بنایے جو لڑائی کے وقت تمھاری حفاظت کرتے ہیں۔

اس آیت کے مطابق لباس کا بنیادی مقصد گرمی اور سردی وغیرہ موسمی اثرات سے حفاظت کے علاوہ دشمنوں کے حملوں سے بچانا بھی ہے، قرآن نے رشتۂ ازدواج کو لباس سے تعبیر کیا، جس سے یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین ہوجاتی ہے کہ زوجین میں ہر ایک کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے شریک حیات کا سہارا بن کر زندگی گزارے، ایک بیمار ہو تو دوسرا تیمار داری کرے، ایک کمزور ہو تو دوسرا سہارا بنے، کوئی آزمائش در پیش ہو تو دونوں مل کر مقابلہ کریں، بلکہ ہمیشہ دفاعی قوت بن کر ایک دوسرے کے لیے کھڑے رہیں، ہمیشہ خارجی طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہوکر ڈٹے رہیں، ڈھال بن کر دشمنوں کے حملوں سے حفاظت کریں اور بیرونی سازشوں کو ناکام بنائیں۔

قرآن کریم کی ہدایات کے مطابق میاں بیوی لباس بن کر ساتھ رہیں، ڈھال بن کر اپنے شریک حیات کا دفاع کرتے رہیں تو کوئی بھی بیرونی سازش کامیاب نہیں ہوسکتی، لیکن جب میاں بیوی ہی آپس میں مخلص نہیں ہوں گے، ایک دوسرے کے ہم درد اور خیر خواہ نہیں ہوں گے تو گھر جنت کیوں کر ہوسکتا ہے؟

مذکورہ بالا توضیح کے مطابق میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے لباس ہیں، لہذا ان کو چاہیے کہ لباس کی طرح ایک دوسرے سے قریب رہیں، ایک دوسرے کی پردہ پوشی کریں، ایک دوسرے کے اسرار و محارم کی حفاظت کریں، ایک دوسرے کا دفاع اور تعاون کریں، تاکہ ایک کامیاب، پرسکون اور بامقصد زندگی گزار سکیں، واللہ تعالی اعلم۔ ■■■

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

آپ کے مسائل

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین

سوال آپ بھی کر کر سکتے ہیں

مفتی محمد نظام الدین رضوی

قربانی واجب ہونے کے باوجود اپنے بجاے مرحوم والد کے نام سے قربانی کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ سے متعلق کہ ایک لڑکا ہے جس پر قربانی واجب ہونے کے سارے شرائط پائے جاتے ہیں لیکن وہ قربانی اپنے فوت شدہ والد کے نام سے کرتا ہے اپنے نام کی نہیں کرتا۔ اس شخص کا ایسا کرنا کہاں تک درست ہے؟

کیا اس کے ذمے کا وجوب اس طرح سے قربانی کرنے سے ساقط ہو جائے گا؟ یا مذکورہ شخص گناہ گار ہوگا۔ بینوا و توجروا

الجواب: ہاں مختار یہ ہے کہ قربانی اس لڑکے کی طرف سے ہوگی اور وہ قربانی کے وجوب سے سبک دوش ہو جائے گا۔ والد کو صرف قربانی کا ثواب ملے گا۔ فتاوی قاضی خان میں ہے:

ولو ضحى عن ميت من مال نفسه بغير أمر الميت جاز، وله أن يتناول منه ولا يلزمه أن يتصدق به، لأنها لم تصر ملكا للميت، بل الذبح حصل على ملكه، ولهذا لو كان على الذابح أضحية سقطت عنه -وان ضحى عن ميت من مال الميت بامر الميت، يلزمه التصدق بلحمه ولا يتناول منه ،لان الاضحية تقع عن الميت ... اذا ضحى رجل عن ابويه بغير امرهما وتصدق به، جاز لان اللحم ملكه وانما للميت ثواب الذبح والصدقة -

فتاوی شامی اخیر کتاب الاضحیۃ میں ہے:

وإن تبرع بها عنه له الأكل، لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت، ولهذا لو كان على الذابح واحدة سقطت عنه أضحية كما فى الأجناس، قال الشرنبلالى: لكن فى سقوط الأضحية عنه تأمل، أقول صرح فى فتح القدير فى الحج عن الغير بلا أمر أنه يقع عن الفاعل فيسقط به الفرض عنه وللآخر الثواب فراجعه. (رد المحتار، كتاب الأضحية)

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے: سئل عمن يضحى عن الميت، قال: يصنع به كما يصنع بأضحيته يريد به أنه يتناول من لحمه كما يتناول من لحم أضحيته، فقيل له أتصير عن الميت؟ قال: الأجر للميت، والملك للمضحى، وبه قال سلمة وابن مقاتل وأبو مطيع، وقال عصام، يتصدق بالكل، وفى الكبرى، المختار أنه لا يلزمه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأضحية، الفصل السابع فى التضحية عن الغير وفى التضحية بشاة الغير عن نفسه-)

بزازیہ میں ہے: وأجاز نصير بن يحيى ومحمد بن سلمى ومحمد بن مقاتل فيمن يضحى عن الميت أنه يصنع به مثل ما يصنع بأضحية نفسه من التصدق والأكل والأجر للميت والملك للذابح (بزازية على هامش الهندية-6\295)

فتح المعین میں ہے: تبرع بالأضحية عن ميت،

جاز له الأكل منها والهدية والصدقة، لأن الأجر للميت والملك للمضحى، وهو المختار، بخلاف ما لو كان بأمر الميت، حيث لا يأكل في المختار. (فتح المعين، كتاب الأضحية)

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس بارے میں تامل ہے کہ یہ قربانی ذابح کی طرف سے ہوگی۔یعنی اس کا واجب ادا ہوجائے گا، تامل کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ قربانی ہورہی ہے میت کی طرف سے یعنی میت کی نیت سے تو وہ ذابح کی طرف سے کیوں ادا ہوگی۔مگر یہ بے مایہ یہ سمجھتا ہے کہ کسی کی طرف سے قربانی صحیح ہونے کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ایک یہ کہ وہ جانور کا مالک ہو دوسرے یہ کہ اس کی طرف سے قربانی کی نیت ہو اور یہاں یہ تو بہت ہی واضح ہے کہ میت جانور کا مالک نہیں، نہ پہلے سے مالک تھا نہ اب ہے۔اور اس کی طرف سے قربانی کی نیت بھی نہیں کیوں کہ مرحوم ہونے کے بعد وہ نیت کر نہیں سکتا اور زندگی میں اس نے قربانی کے لیے وصیت نہیں کی۔جب میت کی طرف سے نہ قربانی کی نیت پائی گئی نہ ہی وہ جانور کا مالک ہے تو یہ واضح ہو گیا کہ قربانی اس کی طرف سے نہیں ہوگی البتہ وارث نے قربانی میت کی طرف سے کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میت کو قربانی کا ثواب پہنچے۔

انما للميت ثواب الذبح والصدقة (خانيه)

میت کو صرف قربانی اور گوشت وغیرہ صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ قربانی ذابح کی طرف سے ہو کیوں کہ وہ جانور کا مالک ہے ساتھ ہی اس نے قربانی کی نیت سے ذبح کیا ہے۔اور "تقبل عن فلاں" کا مطلب "تقبل ثواب الأضحية عن فلاں" ہے۔

اس کے بر خلاف اگر میت نے کوئی جانور چھوڑا جس کا وہ مالک تھا اور اس نے اپنے وارث کو اپنی طرف سے قربانی کا حکم بھی دیا تھا تو یہ قربانی میت کی طرف سے ہوگی۔کیوں کہ اس نے قربانی کے لیے جانور خاص کر دیا تھا یا مال چھوڑا تھا جس سے جانور خریدا جاسکتا تھا تو قربانی کی صحت کی حد تک اس کی ملک حکما باقی رہے گی۔ساتھ ہی اس کی طرف سے وصیت کے ضمن میں قربانی کی نیت بھی پائی گئی۔اس لیے یہاں قربانی میت کی طرف سے ہوگی نہ کہ وارث کی طرف سے فتاوی قاضی خان کا یہ جزئیہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے: رجل اشترى اضحية ثم مات، ان كان الميت اوجبها على نفسه بلسانه يجبر الورثة على ان يضحوا عنه.

ان سب کے باوجود علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کا تامل قابل لحاظ ہے۔اس بے مایہ کے ذہن میں جو توجیہ آئی اس کے پیش نظر میں نے یہی فتوی دینا پسند کیا۔والعلم بالحق عند الله وهو تعالىٰ أعلم

الیکٹرک چھری سے جانور ذبح کرنے کا حکم

سوال: الیکٹریکل چھری کے ذریعے ذبح کرنا کیسا ہے؟ اس چھری میں بیٹری لگی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس میں زبردست پاور ہوتی ہے، اس کے ذریعے سے جانور کو تیزی کے ساتھ ذبح کیا جاسکتا ہے اور گوشت وغیرہ بھی کاٹا جاتا ہے، اور بہت آسانی کے ساتھ یہ کام ہوجاتا ہے، یہ چھری اس طرح نہیں کہ خود بخود کام کرتی ہو بلکہ انسان کو خود اسے پکڑنا پڑتا ہے اور زور بھی لگانا پڑتا ہے بس اس سے زیادہ قوت نہیں لگانی پڑتی۔

الجواب: الیکٹرانک چھری میں جب بیٹری لگی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس میں زبردست پاور آجاتا ہے تو وہ چھری خود ایک ذابح کے قائم مقام ہے۔جو غیر عاقل، غیر مسلم اور غیر کتابی ہے۔اور ایک ذابح انسان ہے، جو عاقل و مسلم ہے۔اور یہ ذبح کے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھے گا۔جب کہ دوسرا ذابح بسم اللہ پڑھنے کا اہل نہیں ساتھ ہی وہ کئی ضروری شرطوں سے بھی عاری ہے۔اس لیے یہ ذبیحہ جائز نہیں۔جن چیزوں میں اصل حرمت ہوتی ہے ان میں شبہہ بھی معتبر ہوتا ہے۔هذا ما عندي والله تعالىٰ أعلم ■■■

فکر امروز

مدارس اسلامیہ

مسائل، مشکلات اور چند تجاویز

مفتي محمد ساجد رضا مصباحی

ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے مدارس اسلامیہ مسلمانوں کی دینی ومذہبی تشخص کی بقا کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، جب تک مدارس اسلامیہ کا وجود رہے گا یہاں کے مسلمانوں کے اندر اسلامی روح باقی رہے گی اور ان کا ایمانی جذبہ بھی سلامت رہے گا، کیوں کہ مسلمانوں کو دینی وروحانی غذا مدارس اسلامیہ ہی فراہم کرتے ہیں۔ مدارس اسلامیہ کا وجود اسلام دشمنوں کے لیے ہمیشہ تکلیف کا باعث رہا ہے، ہمارے اپنے سماج کے افراد مدارس کی اہمیت کو سمجھیں یا نہ سمجھیں لیکن مخالفین کو مدارس کی اہمیت اور مسلم سماج کے استحکام میں اس کے عملی کردار کا خوب علم ہے، یہی وجہ ہے کہ ماضی میں اسلام دشمن عناصر نے جب اور جس سرزمین پر بھی مسلمانوں کو بے دست وپا کرنے اور ان کے وجود کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا ہے تو ان کا سب سے پہلا حملہ مدارس اسلامیہ اور دینی درس گاہوں پر ہوا۔ آج پھر ایک بار ہندوستان کے مدارس اسلامیہ زعفرانی طاقتوں کے نشانے پر ہیں، ان کا منشا یہ ہے مدراس اسلامیہ کے ذریعہ دین ومذہب کے حوالے سے جو توانائی امت مسلمہ کو ملتی ہے اس کا سلسلہ بند ہو جائے، کیوں کہ جب ان کے اندر روحانی وایمانی طاقت ختم ہوجائے گی اور ان کی مذہبی شناخت کمزور ہوجائے گی تو ان کو نیست ونابود کرنا آسان ہوجائے گا۔ باطل طاقتوں کے عزائم بلند ہیں، وہ قوم مسلم کو ہر محاذ پر بے دست وپا دیکھنا چاہتی ہیں، ان کی معیشت کو تباہ وبرباد کرنا چاہتی ہیں، ان کی عزت وآبرو پر مسلسل حملہ کرکے اور سربازار ان انھیں رسوا کرکے ان کو دوسرے درجے کا شہری بنانا چاہتی ہیں۔

اس سلسلے میں انھوں نے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ سب سے پہلے مسلمانوں کے علمی وروحانی مراکز مدارس اسلامیہ کو بے اثر کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، یہاں کی تعلیمی روح، یہاں کے نظام ونصاب کو یکسر بدل کر انھیں اسکولوں کی شکل میں چلانے پر مجبور کرنا ان کا اولین مقصد ہے، اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اقدامات شروع ہوگئے ہیں، وقف ترمیمی ایکٹ اور اس سے قبل آسام کے مدارس کے تعلق سے پیدا شدہ صورت حال سے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے، اسی طریقۂ کار کو اتر پردیش اور اتراکھنڈ میں بھی اسے آزمانے کی کوشش ہو رہی ہے، ملک دوسرے صوبوں کے مدارس کے ساتھ بھی مستقبل میں اسی طرح کا رویہ یقینی ہے۔

اس وقت ملک کی متعدّد ریاستوں میں مدارس کے سروے کے نام پر اہل مدارس کو ہراساں کیا جارہا ہے، اس کا مقصد مسلمانوں کو رسوا کرنا اور برادران وطن کی نظر میں ان کو مشکوک بنانا ہے، اگر حکومت جاننا چاہتی ہے کہ تعلیمی ادارے حکومت کے اصول وضوابط پر عمل پیرا ہیں یا نہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن صرف مدارس کے حالات اور اس کے انفراسٹرکچر ہی کی جانچ کیوں ضروری ہے، اس طرح کی جانچ تمام تعلیمی اداروں میں ہونی چاہیے، چاہے وہ اکثریتی فرقہ کے تعلیمی مراکز ہوں یا اقلیتوں کے، اور اقلیتوں میں مسلمانوں کے ہوں یا سکھوں کے، عیسائیوں کے ہوں یا بدھشٹوں کے؛ بلکہ پرائیویٹ اداروں سے زیادہ سرکاری اداروں

استاذ ومفتی دارالعلوم غریب نواز، داہوگنج، منی پٹی، کشی نگر۔ sajid.misbahi@gmail.com

کا سروے کرنے اور جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ حکومت کے قواعد وضوابط کے مطابق اسکولوں کا جو انفراسٹرکچر ہونا چاہیے وہ مہیا ہے یا نہیں؟۔ صرف مسلمانوں کے تعلیمی اداروں یا دینی مدرسوں کا سروے مسلمانوں کے خلاف شکوک وشبہات کا موقع پیدا کرتا ہے، اور اس وقت نفرت کی جو آندھی آئی ہوئی ہے، یا لائی جارہی ہے، اس میں اضافہ کا سبب بن رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مدارس مسلمانوں کا اثاثہ ہیں، اس کی زمین، اس کی عمارت، اس کا فرنیچر، اس کی لائبریری وغیرہ قوم کے تعاون سے مہیا کیے جاتے ہیں، تاکہ تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ قوم کے بچے ان مدارس میں تعلیم حاصل کر سکیں ۔ نئی نسل تعلیم سے آراستہ ہوگی تو گھر، خاندان اور ملک سب کا بھلا ہوگا، سماج ومعاشرے کی ترقی ہوگی، برائیوں کا خاتمہ ہوگا۔ لیکن پھر بھی مسلم تعلیمی اداروں کو مسلسل کمزور کرنا اور وہاں کی تعلیم کو متاثر کرنا ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

مدارس اسلامیہ کے حوالے سے ریاستی حکومتوں کا منشا جان لینے کے بعد اہل مدارس کو بھی اپنے نظام میں حسب ضرورت تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ حکومتوں کے بڑے اختیارات ہوتے ہیں اگر حکومت ان اختیارات کا استعمال کر کے مدارس کے نظام میں شفافیت لانے کے بہانے گاہے گاہے جانچ کے نام پر دستاویزات طلب کرے تو اہل مدارس انھیں یکسر منع بھی نہیں کر سکتے، بلکہ ایسے معاملات میں حکومتی عملے کا تعاون اہل مدارس کی ذمے داری ہوگی۔

مدارس اسلامیہ داخلی وخارجی دونوں طرح کے مسائل سے جوجھ رہے ہیں، غیروں کی یلغار کے ساتھ بے شمار داخلی مسائل ومشکلات مدارس کو کھوکھلا کر رہے ہیں اور ان کا نظام دن بہ دن خستہ حالی کا شکار ہوتا جارہا ہے۔

مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد دن بہ دن گھٹتی جارہی ہے، چند مدارس کو چھوڑ کر باقی تمام مدارس طلبہ کی تعداد کے حوالے سے تشویش ناک صورت حال سے دوچار ہیں، ظاہر ہے کہ جب مدارس میں پڑھنے والے طلبہ ہی نہیں ہوں گے تو ان مدارس کا وجود بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ لہذا ہمیں اس کے اسباب ووجوہات پر غور کر کے اس کا بھی حل ڈھونڈنا ضروری ہے۔

دراصل مدارس کی تعلیم کے تعلق سے ماضی قریب میں مسلسل منفی پروپیگنڈہ ہوا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس تعلیم سے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں ہے، یہ تعلیم معاش کے لیے کسی طرح مفید نہیں ہے، مدرسے میں پڑھنے کے بعد دوچار ہزار کی ملازمت کرنی پڑے گی اور دوسروں کے رحم وکرم پر زندگی گزارنا پڑے گا وغیرہ۔ یہ تمام باتیں بالکل بے بنیاد بھی نہیں ہیں، ائمہ ومدرسین کے کی تنخواہوں کی جو کیفیت ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، اہل مدارس اپنے ملازمین کے ساتھ جو غیر انسانی رویہ روا رکھتے ہیں اس سے بھی ہر ذی ہوش واقف ہے۔ مدارس سے تعلیم حاصل کر کے فارغ ہونے والے طالبان علوم نبویہ کی ذہن سازی اور تربیت ایسی ہوتی ہے کہ وہ فراغت کے بعد کسی مدرسے میں تدریس یا پھر امامت ہی کو اپنے معاش کا واحد ذریعہ سمجھتا ہے یا پھر اپنے آپ کو اسی لائق پاتا ہے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ مدارس کی بقا کے لیے اس کے نظام اور نصاب میں تھوڑی ایسی ترمیم ہو جس سے دینی تعلیم کی روح بھی باقی رہے اور حصول معاش کے لیے وہ صرف مدارس یا مساجد میں ہی ملازمت کرنے پر مجبور نہ ہوں بلکہ وہ وہ کسی دوسرے میدان میں بھی جاکر اپنے معاش کا انتظام کر سکیں۔

اتر پردیش کے مدارس میں کامل وفاضل کی ڈگریوں کو سپریم کورٹ کے ذریعہ کالعدم قرار دیے جانے کے بعد کئی طرح کے مسائل کھڑے ہو گئے ہیں، اب عالم مساوی انٹر کے بعد

مدارس کے بعد بی اے اور ایم اے کرنے کے لیے کوئی نظام نہیں ہے، ایسے میں طلبہ کی تعداد مزید کم ہونے کا اندیشہ قوی ہو گیا ہے، ان حالات میں ذمے داران مدارس کو سر جوڑ کر بیٹھنے اور متبادل ڈھونڈنے کی سخت ضرورت ہے۔

مدارس اسلامیہ میں ہاسٹل کا نظام بہت فرسودہ ہے، جدید آلات وسائل سے استفادہ نہ کے برابر ہے، خورد ونوش کا نظام جس انداز اور معیار سے ہونا چاہیے نہیں ہوتا، گرمی اور سردی سے بچاؤ کے لیے بھی مناسب انتظام نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے مال دار گھرانے کے طلبہ مدارس عربیہ کا رخ کم کرتے ہیں۔

لاک ڈاؤن میں اکثر مدارس کے اساتذہ کے ساتھ جو سلوک ہوا اور معاشی اعتبار سے جو ان کی حالت رہی اور جس طرح ایک بڑی تعداد کو دربدر بھٹکنا پڑا اس سے بھی طلبہ میں منفی اثرات کے شکار ہوئے۔

اکثر صوبوں کے مدارس کی سندیں اور ان کی ڈگریوں کی حکومت کی نظر میں کوئی اہمیت اور وقعت نہیں ہے اور نہ اس کی اہمیت کو منوانے کی طرف کبھی توجہ دی گئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک بڑی تعداد مدارس سے عالم اور فاضل کرنے کے بعد بھی حکومت کی نظر میں ناخواندہ ہے۔ اگر وہ پاسپورٹ بنواتے ہیں تو ان اسناد اور ڈگریوں کے بعد بھی ان کا شمار مزدوروں اور ناخواندہ لوگوں میں ہوتا ہے۔ ان داخلی وخارجی مسائل ومشکلات پر کچھ حد تک قابو پانے کے لیے درج ذیل امور پر ہمیں خاص توجہ دینے ہوگی۔

◘ جو مدارس کسی بورڈ سے مجاز نہیں ہیں ان کو کسی بورڈ کے دائرے میں لانا از حد لازمی ہے، جن صوبوں میں یہ سہولت دست یاب ہے وہاں کے ذمے داران کوشش کرکے یہ کام ضرور کرلیں، اس لیے کہ مستقبل میں اس حوالے سے بڑی دشواریوں کے امکانات ہیں۔

◘ جدید تعمیرات میں تعمیراتی ضابطوں کی پاس داری کا لحاظ رکھیں، تنگ وتاریک کمروں کی تعمیر نہ کریں، خاص طور سے جن مدارس میں ہاسٹل کا نظام ہو انھیں تعمیرات میں خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے، ابھی تو صرف حکومتی عملے دستاویزت طلب کر رہے ہیں، مستقبل میں مدارس کے ہاسٹل کے نظام پر بھی سوالات کھڑے ہوسکتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے بہت سارے مدارس ایسے ہیں جہاں طلبہ کی معقول رہائش اور ایک اقامتی ہاسٹل میں جو سہولیات ہونی چاہئیں ان کا فقدان ہوتا ہے، ذمے داران مدارس ان امور پر بالکل توجہ نہیں دیتے، کمرے تنگ وتاریک، برآمدے چھوٹے، چھت بغیر ریلنگ کے، صفائی کا کوئی نظم ونسق نہیں، بیت الخلا کی حالت ناگفتہ بہ، ان کے نہانے دھونے اور کپڑے سکھانے کا کوئی مناسب انتظام نہیں، چھوٹے چھوٹے کمروں میں ایک درجن سے زائد طلبہ کا قیام، یہ وہ مسائل ہیں جو اکثر مدارس میں قدر مشترک ہیں۔ ظاہر ہے کسی ہاسٹل کے جو حکومتی ضوابط ہیں، ہمارے مدارس کے یہ ہاسٹل ان ضابطوں کو پورا نہیں کر سکیں گے۔ مستقبل میں کبھی بھی مدارس کے یہ غیر معیاری ہاسٹل نشانے پر آسکتے ہیں۔ اس لیے قبل از وقت ایسے ہاسٹلوں کے معیار کو درست کرنے پر توجہ کی سخت ضرورت ہے۔

◘ قانونی جہت سے کرنے کا ایک کام یہ بھی ہے کہ ہر ادارہ اپنے لیے ایک قانونی مشیر مقرر کرے، جو ٹیکس کے شعبہ سے تعلق رکھنے والا وکیل ہو تو زیادہ بہتر ہے، وہ مدرسہ کی املاک اور آمد وصرف پر گہرائی کے ساتھ نظر رکھے اور بوقت ضرورت سرکاری محکموں میں حساب پیش کر سکے، اس سے مدارس کا تحفظ ہوگا، جو ذمہ داران مدارس حساب وکتاب کے فن سے واقف نہیں ہیں، نہ ٹرسٹ یا سوسائٹی وغیرہ کے اصولوں سے آگاہ ہیں، وہ نہ عوام کو مطمئن کر پاتے ہیں، نہ سرکاری محکموں کو۔ اس لیے

جہاں دیگر عہدہ دار ہوتے ہیں، ایک عہدہ "قانونی مشیر" کا ہونا چاہیے۔

■ شرپسند عناصر مدارس کو بدنام کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں، ایسے میں تحفظ کے لیے ہر طرح اقدامات کی سخت ضرورت ہے، لہذا ضروری ہے مدرسہ کیمپس میں مضبوط چہار دیواری ہو اور کم از کم کہ مدرسہ کیمپس کے اہم مقامات پر سی سی ٹی وی کیمرے لازمی طور پر لگائے جائیں تاکہ شرارت پسند افراد کوئی بھی حرکت کرنے سے باز رہیں اور کوئی حادثہ رونما ہو جائے تو بطور شہادت سی سی ٹی فوٹیج پولیس محکمہ کو پیش کیا جاسکے۔

■ دینی اور قانونی دونوں اعتبار سے مدارس کے آمدات واخراجات کے ریکارڈ میں شفافیت ہونی چاہیے، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کی ہدایت کے مطابق حساب لکھنا ضروری ہے، سال بہ سال اس کا آڈیٹ بھی کرالینا چاہیے تاکہ حکومتی ضابطے کے مطابق اس میں شفافیت رہے اور کسی قانونی داؤں پیچ کا شکار نہ ہوں۔

■ اقامتی ہاسٹل والے مدارس کے لیے ایک نگراں برائے ہاسٹل کا انتظام ضروری جو غیر تعلیمی اوقات میں طلبہ کی سرگرمیوں پر نظر رکھ سکے اور ان کے تحفظ کا بھی پورا پورا خیال رکھے، بعض مدارس میں ہاسٹل میں رہنے والے طلبہ آپسی تنازعات کی وجہ سے ایسی حرکتیں کر بیٹھتے ہیں کہ معاملہ خون خرابہ اور قتل تک پہنچ جاتا ہے، گزشتہ ایک سال کے اندر ملک کے متعدّد مدارس میں اس طرح کے حادثات رونما ہوئے، جن کو میڈیا نے خوب اچھالا اور لوگوں کو مدارس سے متنفر کرنے کی مکمل کوشش کی، یاد رکھیں اس طرح کے واقعات سے جہاں غیروں کو مدارس پر کیچڑ اچھالنے کا موقع مل جاتا ہے، وہیں اپنے بھی مدارس سے بدظن ہوتے ہیں اور اپنے بچوں کو مدارس کے اقامتی ہاسٹل میں رکھنے سے خوف کھاتے ہیں۔ عام طور پر ہمارے مدارس میں وارڈن کا کام بھی اساتذہ سے ہی لیا جاتا ہے، بے چارہ مدرس دن بھر آٹھ گھنٹیاں پڑھانے کے بعد یوں ہی ذہنی اور جسمانی طور پر تھکا ماندہ ہوتا ہے، پھر وہ کس طرح بارہ ایک بجے شب تک ہاسٹل کی نگرانی کرسکے گا۔

■ قرب وجوار اور دُور دراز کے طلبہ مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں، ان کا داخلہ ان کی رہائش، اہل خانہ اور فیملی بیک گراؤنڈ کی تفتیش کے بغیر یوں ہی کرلیا جاتا ہے، بعض مدارس میں ان کے دستاویزات بھی صحیح طریقے سے جمع نہیں کرائے جاتے، کیریکٹر سرٹیفکیٹ لینے اور خارجہ سرٹیفکیٹ دینے کا بھی ہماری یہاں کوئی خاص نظم نہیں ہوتا، داخلہ رجسٹر حکومتی معیار کے مطابق نہیں ہوتا۔ ہاسٹل میں قیام کرنے والے طلبہ کا الگ سے ہاسٹل رجسٹر بھی نہیں ہوتا، گیٹ پر کوئی دربان نہیں ہوتا جو ان کے مدرسہ کیمپس سے باہر جانے اور واپس آنے کے اوقات رجسٹر پر درج کرسکے۔ ایسے میں جب کبھی کوئی حادثہ ہوتا ہے اور پولیس تحقیقات کرنا چاہتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ مدارس کے یہ ہاسٹل یوں ہی بغیر کسی نظم وضبط کے چلتے ہیں ان کے پاس بتانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ وقت رہتے ان امور پر توجہ دے کر نظام میں شفافیت لانے کی سخت ضرورت ہے۔

حالات کا جبری تقاضا ہے کہ اہل مدارس پوری مضبوطی اور استحکام کے ساتھ مدارس کے نظام کو باقی رکھیں، مدراس اسلامیہ سے مسلم سماج کی کم ہوتی دل چسپی کا ازالہ کریں، اسلامی بچے بچیوں کو عمدہ تعلیم وتربیت کے زیور سے آراستہ کریں، مدارس کو تجارتی نقطۂ نظر سے نہ دیکھیں بلکہ ان کے قیام کے اعلیٰ مقاصد پر ہمیشہ نظر رکھیں اور ماضی میں مدارس اسلامیہ کی شان دار تاریخ کو سامنے رکھ کر عظمت رفتہ کی بحالی کی کوششیں تیز کردیں۔

یقین محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

■■■

شعاعیں

نفلی حج - یا - تعلیمی اور رِفاہی خدمات !!!

ڈاکٹر جہانگیر حسن مصباحی

بلاشبہ حج ایک اہم فریضہ ہے اور اس کی ادائیگی میں سستی و کاہلی سے کام لینا بھی سخت محرومی کے ساتھ عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ لیکن اِس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے کہ حج فرض کی ادائیگی کے بعد نفلی حج کے لیے بار بار سفرِ حج پر جانے اور اُس پر ایک خطیر رقم خرچ کرنے سے افضل ہے کہ صاحبانِ ثروت اپنے اموال کو اَیسے دینی، تعلیمی اور سماجی ورفاہی کاموں میں لگائیں جن کی آج سخت ضرورت ہے۔

ہمارے خیال سے محض ثواب کی نیت سے سال بہ سال نفلی حج کے لیے سفر کرنا، نیز اِس سلسلے میں ایک خطیر رقم کا خرچ کرنا اور معاشرتی و دینی سطح پر ترجیحاتی اعمال سے نظریں چرالینا عقل مندی نہیں ہے۔ پھر یہ کہ محض ثواب کی نیت سے نفلی حج کے لیے سال بہ سال جانا ایک حد تک تو درست ہے، لیکن اگر نیت، نام و نمود اَور شہرت طلبی کی ہو تو یاد رَکھیں کہ ایسا عمل قیامت کے دن عذاب کی شکل میں سامنے آئے گا اور نام و نمود اور دکھاوے والی نیت کے سبب نیک عمل بھی کچھ کام نہ آئے گا۔ چناں چہ نفلی حج پر زُور دینے کی بجاے ہمارے صاحبانِ ثروت، بھوکوں کی امداد کو ترجیح دیں، محتاجوں اور بے سہاروں کا سہارا بنیں، بیماروں کے علاج و معالجے پر توجہ دیں، یتیموں اور ناداروں کی کفالت و خبر گیری کریں، بیواؤں کی ضرورتیں پوری کریں اور مسکین لڑکیوں کی شادی بیاہ کا انتظام و اہتمام کریں۔ کیوں کہ نفلی حج کے مقابلے یہ سب اعمال زیادہ مفید ہیں اور اللہ عزوجل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب بھی۔

اِس کے علاوہ ہم سب کسی نہ کسی نہج پر مشاہداتی تجربات سے اکثر و بیشتر گزرتے رہتے ہیں کہ نفلی حج کی کثرت پر زُور دینے والے صاحبان ثروت اِعلانیہ طور پر اور بالالتزام فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور سستی سے کام لیتے ہیں، بلکہ بالقصد ترک کر دیتے ہیں (الاماشاء اللہ)۔

جب کہ اُنھیں معلوم ہونا چاہیے فرائض کی ادائیگی کے بغیر نفلی عبادتیں اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ہرگز مقبول نہیں۔ بنابریں سال بہ سال نفلی حج کے لیے جانے والے صاحبانِ ثروت زکاۃ کی ادائیگی پر کامل توجہ دیں اور فرائض کی بالخصوص پابندی کریں۔

اِس کے ساتھ ہی منڈیر تراش تراش کر اَپنے کھیتوں اور کھلیانوں کو کشادہ کرانے والے جاگیردار بھی پہلے اپنے اِن غیر شرعی اعمال سے توبہ کریں اور دوسرے کی فصلوں کو نقصان پہنچانا بند کریں، اور پھر اِسی پر بس نہیں بلکہ آئے دن کا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ ایک طرف جو لوگ سال بہ سال نفلی حج کے لیے جاتے ہوئے نہیں تھکتے دوسری طرف وہی لوگ اپنے پڑوسیوں کے حقوق ادا نہیں کرتے، خود تو آسودگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں لیکن اُنھیں کبھی یہ توفیق نہیں ہوتی کہ اپنے پڑوسیوں کی خبر لے لیں کہ وہ بھوکے تو نہیں سو رہے ہیں، یہاں تک کہ کمزوروں پر ظلم کرنا وہ اپنی خاندانی شان سمجھتے ہیں اور مزدوروں کو اُن کی واجب مزدوری دینے کے تو قائل ہی نہیں، جب کہ مزدوروں سے متعلق خصوصی طور پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ پسینہ خشک ہونے سے پہلے اُن کی

موبائل نمبر: 9910865854 - ای میل: mjhahan2009@gmail.com

مزدوری ادا کر دی جائے، مگر اس کے باوجود انھیں بار بار دوڑایا جاتا اور اُن کی عزت نفس کا کچھ بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔ لہٰذا سال بہ سال نفلی حج کے لیے جانے سے بدرجہا بہتر ہے کہ پہلے حق داروں کے حقوق ادا کیے جائیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آخری زمانے میں لوگ بلاوجہ کثرت سے حج کریں گے، کیوں کہ مال کی بہتات ہوگی اور سفرِ حج اِنتہائی آسان ہوگا۔ حالاں کہ اُن کا پڑوسی بدحال و تنگ دست ہوگا مگر وہ اپنے پڑوسی کی ایک پیسے سے بھی غم خواری نہیں کریں گے اور یہ دعوی کریں گے کہ اُنھوں نے ہزاروں خرچ کر ڈالے۔ (الامالی الخمیسہ للشجری، جلد:2، ص:221، شاملہ)

چناں چہ آج کل یہی ہو رہا ہے کہ ہمارے صاحبانِ ثروت ہر سال بڑی پابندی سے سفرِ حج پر جا رہے ہیں۔ لیکن اُن کا پڑوسی کس قدر بدحال ہے؟ اِس سے وہ واقف نہیں۔ کتنے مزدوروں کی مزدوری اُن کے ذمے ہے؟ اِس کا انھیں کچھ ہوش نہیں۔ دینی، تعلیمی اور سماجی ترجیحات پر خرچ کرنے کی انھیں کچھ شُد بُد نہیں۔ جب کہ اِس سلسلے میں اگر شعور کو بروئے کار لایا جائے تو دین اور دنیا دونوں سطحوں پر ایک انقلابی کارنامہ انجام دیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر صرف ہندوستان سے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگ نفلی حج کے لیے بیت اللہ کا سفر کرتے ہیں اور ہر ایک سفرِ حج کا صرفہ کم سے کم تقریبًا چار سے چھ لاکھ تک پہنچ جاتا ہے۔ چناں چہ اگر ہمارے صاحبانِ ثروت نفلی حج پر جانے کے بجائے دین وملت کے نام محض ایک لاکھ روپے کا عطیہ پیش کریں تو اِس طرح ہم ہر سال تقریبًا اَربوں روپے کا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور پھر اَیسی صورت میں ملک گیر پیمانے پر دینی اور عصری ادارے، جدید ٹیکنالوجی سے مزین اسپتال تیار ہوسکتے ہیں، خواتین کے لیے محفوظ اِنسٹی ٹیوٹ قائم کیے جاسکتے ہیں جن میں ہماری بہو، بیٹیاں اور بہنیں بلاخوف وخطر پروفیشنل اور اکیڈمک تعلیم حاصل کر کے خود اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکتی ہیں اور اپنی خانگی و سماجی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دے سکتی ہیں۔ ان عطیات سے ہمارے معاشرے میں موجود معاشی حاجتیں آسانی کے ساتھ پوری کی جاسکتی ہیں، بلکہ انٹرنیشنل سطح پر ہم مسلمانوں کے تعلیمی و معاشی مصالح سے متعلق خاطر خواہ کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔

لیکن ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ فریضہ کون انجام دے اور صاحبانِ ثروت کو اِس طرف مائل کیسے کیا جائے، تو اِس سلسلے میں ہماری حقیر رائے یہ ہے کہ ملک گیر پیمانے پر جتنی بھی علاقائی تنظیمیں ہیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی اور دینی ہوں یا عصری، یہ تمام تنظیمیں اِس تعلق سے علاقے کو پیش نظر رکھتے ہوئے چند ترجیحی خطوط تیار کریں اور انھیں خطوط کے مطابق اپنے اپنے علاقوں میں سرگرم عمل ہوجائیں اور صاحبانِ ثروت کو اِس جانب متوجہ کریں کہ نفلی حج سے محض آپ کے ذاتی ذوق کی تسکین کا سامان فراہم ہوتا ہے، جب کہ دینی اور رِفاہی کاموں سے دین اسلام کو تقویت پہنچے گی اور قوم وملت کا فائدہ ہوگا اور اِس کے ساتھ آپ رہیں یا نہ رہیں قیامت تک آپ کے حق میں صدقہ جاریہ ہوگا۔

پھر اِس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ یہ عمل بڑا ہی جاں سوز اور دل سوز ہے لیکن محال ہرگز بھی نہیں ہے۔ لہٰذا

ہاتھ پہ ہاتھ دھرے شکوۂ قسمت کیسا
ضرب مرداں سے اُگل دیتا پتھر پانی

■■■

انوار حیات

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی داستان حیات

ابو التمش اعظمی

نبوت کے آسمان پر جگمگاتے ہوئے ستاروں میں ایک ستارہ آج بھی اپنی پوری تابناکیوں کے ساتھ انسان کی نگاہوں کو خیرہ کر رہا ہے، اس ستارے کا نام ہے حضرت "اسماعیل" علیہ السلام۔ اسماعیل اس مقدس ہستی کا نام ہے جن کی زندگی ایثار، قربانی، توکل، اطاعت، محبت اور نبوت کے رنگوں سے سجی ہوئی ہے اور تمام عالمِ انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ان کی ولادت سے لے کر قربانی کے عظیم امتحان اور کعبہ کی تعمیر تک، ہر لمحہ ایک ایسا سبق ہے جو دلوں کو ایمان کے نور سے منور کرتا ہے۔

ولادتِ اسماعیل-ایک دعا کا ثمر:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اولاد کی حسرت موجزن تھی، انھوں نے ربِ کائنات سے التجا کی: "اے میرے رب! مجھے صالح اولاد عطا فرما۔" (الصافات:100)

یہ دعا ایسی تھی جیسے کوئی تشنہ لب صحرا میں میٹھے پانی کی فریاد کر رہا ہو۔ حضرت سارہ، جو ابراہیم علیہ السلام کی رفیقِ حیات تھیں، نے اپنی باندی حضرت ہاجرہ کو اپنے شوہر کے نکاح میں دینے کی تجویز پیش کی، تاکہ اللہ انھیں اولاد کے نور سے منور کرے، حضرت ابراہیم نے ان کی اس تجویز کو پسند فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حضرت ہاجرہ سے نکاح فرمایا۔ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ حضرت ہاجرہ کی آغوش میں ایک رشکِ ماہ تاب نمودار ہوا جس کا نام اسماعیل رکھا گیا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 86 برس تھی۔ اللہ کریم کی اس عطا نے انھیں سرشار کر دیا اور ان کے لبوں سے بے اختیار حمد و ثنا کے کلمات جاری ہوئے۔

صحرا میں تنہائی-توکل کا امتحان:

ایک دن، جب صبح کا سورج اپنی تیز و تند شعاعوں سے زمین کا سینہ چھلنی کر رہا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجر اور ننھے اسماعیل کو ایک طویل سفر کے لیے تیار کیا۔ وہ چلتے رہے، شام ڈھلی، پھر صبح ہوئی، پھر شام ڈھلی، کئی روز چلتے رہے، پہاڑوں، وادیوں اور صحراؤں کو عبور کیا، اور آخر کار ایک ایسی وادی میں پہنچے جہاں آدم نہ آدم زاد، دور دور تک زرد ریت کا سمندر موجیں مار رہا تھا، ننگی چٹانیں تھیں جنھیں سخت دھوپ نے سنولا دیا تھا، ہریالی اور پانی کا نام و نشان تک نہ تھا، یہ وادی مکہ تھی، جو اس وقت ایک بنجر خطہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی اور بیٹے کو وہاں چھوڑا، کچھ پانی اور کھانے کا تھوڑا سامان ان کے حوالے کیا اور واپسی کا ارادہ فرمایا: حضرت ابراہیم کی واپسی کا ارادہ سن کر ہاجرہ مضطرب ہو گئیں، انھوں نے ایک نگاہ اپنے معصوم بیٹے کی طرف ڈالی، اور سوال کیا:

"آپ ہمیں اس بے آب و گیاہ وادی میں تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟"

ابراہیم علیہ السلام خاموش رہے، کیوں کہ ان کا دل اللہ کے حکم کی ڈور سے بندھا ہوا تھا۔

آخر کار حضرت ہاجر نے سوال کیا: "کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آہستہ سے سر ہلا کر ہامی بھری۔ یہ جان کر حضرت ہاجرہ نے ایمان افروز لہجے میں کہا:

"جب اللہ ہمارے ساتھ ہے، تو ہم کبھی گم نہیں ہو سکتے۔"

یہ الفاظ ایمان کی وہ چٹان تھے، جنھوں نے مکہ کے سلگتے ریگستان میں مضبوطی سے قدم گاڑ دیے۔ حضرت ابراہیم علیہ

السلام نے وادی سے نکلتے ہوئے کعبہ کی جانب رخ کیا اور دعا مانگی:

"اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد کو تیری پاک گھر کے پاس ایک ایسی وادی میں بسایا جہاں کوئی کاشت نہیں، تاکہ وہ تیری عبادت کریں۔ پس تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر اور انھیں رزق عطا فرما۔" (ابراہیم:37-38)

یہ صرف دعا نہیں تھی بلکہ بنجر زمین میں ایمان کے ساتھ بویا گیا وہ بیج تھا جس کی سرسبزی و شادابی اللہ تعالیٰ کی رضا کے سپرد کر دی گئی تھی۔

صفا و مروہ کے درمیان جدوجہد-ایمان کی دوڑ:

مکہ کی اس بنجر وادی میں، جہاں زندگی کا نام و نشان نہ تھا، حضرت ہاجرہ اور ننھے اسماعیل علیہ السلام تنہا رہ گئے۔ ان کے پاس جو تھوڑا سا پانی تھا، وہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ پیاس نے ماں بیٹے دونوں کو بے قرار کر دیا۔ ننھا اسماعیل تڑپ رہا تھا، اور ہاجرہ کا دل اپنے لختِ جگر کی تکلیف دیکھ کر پگھل رہا تھا۔ وہ اس منظر کو مزید برداشت نہ کر سکیں اور پانی کی تلاش میں امید کا دامن تھامے ہوئے صفا کی پہاڑی پر چڑھ گئیں۔ نگاہ اٹھائی، وادی میں چاروں طرف غور سے دیکھا، شاید کوئی راہگیر نظر آ جائے، مگر وہاں سوائے خاموشی کے کچھ نہ تھا۔ وہ صفا سے اتریں اور کچھ چلتے، کچھ دوڑتے ہوئے مروہ تک پہنچیں، مگر وہاں بھی کوئی نشانِ حیات نظر نہ آیا۔ اس طرح وہ سات بار صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتی رہیں، پانی کی تلاش میں ان کی یہ دوڑ صرف جسم کی نہیں، بلکہ روح کی بھی تھی اور ان کی روح تو ایمان و توکل سے لبریز تھی۔

رحمتِ الٰہی کا چشمہ:

جب حضرت ہاجرہ ساتویں بار مروہ پر پہنچیں، تو انھوں نے ایک آواز سنی، کان لگائے، آواز پھر آئی۔ انھوں نے پکارا:

"اے تم جو بھی ہو! تم نے مجھے اپنی آواز سنائی، کیا تمھارے پاس کوئی مدد ہے؟"

اور پھر اچانک ایک عظیم الشان معجزہ رونما ہوا، زمزم کے مقام پر ایک فرشتہ نمودار ہوا، جس نے اپنے پر زمین پر مارے اور وہاں سے اللہ کی حمد و ثنا گنگناتا ہوا پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ حضرت ہاجرہ نے یہ دیکھا تو فوراً اپنے ہاتھوں سے اس کے گرد ایک حوض سا بنایا اور اپنے مشکیزے میں پانی بھرنا شروع کیا۔ پانی اس قدر بہتا تھا کہ وہ اسے روک نہ پاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ اسماعیل کی ماں پر رحم کرے! اگر وہ زمزم کو بہنے دیتیں، تو زمزم زمین پر بہتا ہوا دریا بن جاتا۔"

یہ زمزم کا پانی آج بھی لاکھوں حاجیوں کی پیاس بجھاتا ہے، اور حضرت ہاجرہ کے صبر و ایمان کی گواہی دیتا ہے۔

حضرت ہاجرہ کی عظیم جدوجہد آج حج کے رکن "سعی" کی صورت میں زندہ ہے، حضرت ہاجرہ کی بے قرار دوڑ اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آئی کہ اسے حج کا رکن بنا دیا۔

مکہ میں آبادکاری کی ایک نئی صبح:

زمزم کے معجزے کے بعد، حضرت ہاجرہ نے پانی پیا اور اپنے بیٹے کو پلایا۔ فرشتے نے ان سے کہا: "تمھیں تنہائی کا خوف نہ ہو، کیوں کہ یہ اللہ کا گھر ہے، جسے یہ لڑکا اور اس کا باپ تعمیر کریں گے۔ اللہ اپنے بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔"

اس وقت کعبہ ایک بلند ٹیلے کی طرح تھا، جس کے دائیں بائیں سیلابی ریلے بہتے تھے۔ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل اسی وادی میں رہنے لگے۔ ایک دن قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ، اس راستے سے گزر رہے تھے۔ انھوں نے ایک پرندہ دیکھا جو پانی کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ انھوں نے کہا: "یہ پرندہ پانی کے گرد ہی پرواز کرتا ہے، حالاں کہ ہمیں معلوم ہے کہ اس وادی میں پانی نہیں۔"

انھوں نے اپنے چند آدمیوں کو بھیجا، جنھوں نے زمزم کے چشمے کو دریافت کیا اور واپس جا کر اپنے کارواں کو اطلاع دی۔ جب وہ سب زمزم کے پاس پہنچے، تو وہاں حضرت ہاجرہ اپنے بیٹے کے ساتھ موجود تھیں۔ جرہم کے لوگوں نے پوچھا:

"کیا ہم تمھارے ساتھ یہاں رہ سکتے ہیں؟"

حضرت ہاجر نے جواب دیا:

"ہاں، مگر تمھیں اس پانی پر کوئی حق نہیں ہوگا۔"

وہ اس شرط پر راضی ہو گئے۔ حضرت ہاجرہ کو بھی ان لوگوں کا ساتھ بھا گیا، کیوں کہ وہ تنہائی کے مقابلے میں رفاقت کو ترجیح دیتی تھیں۔ جرہم کے لوگوں نے اپنے خاندانوں کو بھی بلا لیا، اور وہ وہاں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ حضرت اسماعیل بھی کچھ بڑے ہو گئے، انھوں نے جرہم کے لوگوں سے عربی سیکھی اور ایسی سیکھی کہ سکھانے والے دانتوں تلے انگلیاں دبانے پر مجبور ہو گئے۔

قربانی کا امتحان، ایمان کی معراج:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اللہ کے احکام کی مکمل اطاعت کا ایک روشن باب ہے۔ ایک دن، جب وہ اپنے خیمے کے باہر بیٹھے اپنے پیارے بیٹے اسماعیل اور اللہ کی رحمتوں کے بارے میں غور کر رہے تھے، ان کے دل میں اللہ کی نعمتوں کا شکر اور اس کی عظمت کا خوف موجزن تھا۔ ایسے میں ایک آنسو ان کی آنکھ سے ٹپکا، جو اسماعیل سے ان کی محبت کی گواہی دے رہا تھا۔ غنودگی طاری ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک خواب دکھایا اور اپنی سب سے پیاری چیز قربان کرنے کا حکم دیا۔ متواتر کئی بار جب یہ خواب دیکھا تو سمجھ گئے کہ اللہ مجھ سے اسماعیل کی قربانی چاہتا ہے، انھوں نے اپنے بیٹے سے کہا:

"اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، تو بتا تیری کیا رائے ہے؟"

حضرت اسماعیل تو اطاعت و فرماں برداری اور صبر و استقامت کا حسین پیکر تھے، والد کریم کی بات سن کر فوراً جواب دیا: "جو آپ کو حکم دیا گیا ہے، اسے بجا لائیں۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے۔"

حضرت ابراہیم اسماعیل کو عرفات کے پہاڑ پر لے گئے، چھری اور رسی لی۔ اسماعیل نے کہا کہ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیں تاکہ وہ جدوجہد نہ کریں، اور اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیں تاکہ وہ اپنے بیٹے کی تکلیف نہ دیکھ سکیں۔ ابراہیم نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھی اور اللہ کے حکم کے مطابق چھری چلائی، جب انھوں نے پٹی ہٹائی، تو دیکھا کہ سامنے ایک ذبح شدہ دُنبہ پڑا ہے اور اسماعیل بالکل صحیح سلامت ان کے پاس کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ ایک لمحے کے لیے انھیں لگا کہ ان سے کوئی غلطی ہو گئی، مگر پھر غیب سے آواز آئی کہ انھوں نے خواب کی تعمیل کر دی ہے۔ اللہ نے ان کی قربانی کو ایک عظیم ذبیحہ (دُنبہ) سے بدل دیا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"اے ابراہیم! تم نے خواب کی تعمیل کر دی۔ بیشک ہم نیکوکاروں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ یہ ایک کھلا امتحان تھا۔"

(الصافات:104-106)

اللہ نے ابراہیم اور اسماعیل کی اس اطاعت کو آنے والی نسلوں کے لیے ایک عظیم یادگار بنا دیا، اور فرمایا:

"ابراہیم پر سلام ہو! بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔" (الصافات:109-111)

یہ قربانی آج عید الاضحیٰ کی صورت میں ہر سال منائی جاتی ہے، جو ہمیں ایمان، اطاعت اور قربانی کا درس دیتی ہے۔

اسماعیل کی ازواج اور حکمت کا امتحان:

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو جرہم نے ان کا نکاح اپنے قبیلے کی ایک خاتون سے کر دیا۔ حضرت ہاجر کے انتقال کے بعد، حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اور اس کے خاندان سے ملنے مکہ تشریف لائے، مگر اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہ تھے۔ انھوں نے اسماعیل کی بیوی سے ان کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ اسماعیل روزی کی تلاش میں گئے ہیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے ان کے حالات کے بارے میں دریافت کیا، تو اس نے شکایت کرتے ہوئے کہا: "ہم تنگی اور افلاس میں زندگی گزار رہے ہیں۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: "جب تمھارا شوہر آئے، تو اسے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ وہ اپنے گھر کی دہلیز بدل دے۔"

جب اسماعیل علیہ السلام واپس آئے، تو انھوں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ کیا کوئی آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ ایک بزرگ تشریف لائے تھے، جنھوں نے ان کے حالات کے بارے میں پوچھا اور دہلیز بدلنے کا پیغام دیا۔ اسماعیل علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ ان کے والد تھے اور ان کا اشارہ بیوی کو طلاق دینے کی طرف تھا۔ چاں چہ انھوں نے اسے طلاق دے دی اور قبیلۂ جرہم کی ایک دوسری خاتون سے نکاح کر لیا۔

کچھ عرصے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے۔ اس بار بھی اسماعیل گھر پر نہ تھے۔ انھوں نے ان کی نئی بیوی سے حالات دریافت کیے۔ اس نے خوشی سے بتایا: ”ہم خوش حال ہیں اور اللہ نے ہمیں وافر رزق دیا ہے۔“ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ وہ کیا کھاتے پیتے ہیں۔ اس نے بتایا کہ وہ گوشت کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: ”اے اللہ! ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت ان کے پاس اناج نہ تھا، ورنہ ابراہیم علیہ السلام اس میں بھی برکت کی دعا کرتے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل کی بیوی سے کہا:

”جب تمھارا شوہر آئے، تو اسے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ وہ اپنی دہلیز کو مضبوط رکھے۔“

جب اسماعیل علیہ السلام واپس آئے، تو انھوں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ کیا کوئی آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ ایک بزرگ تشریف لائے، جنھوں نے ان کے حالات کے بارے میں پوچھا اور دہلیز مضبوط رکھنے کا پیغام دیا۔ اسماعیل علیہ السلام نے کہا:

”وہ میرے والد تھے، اور تم ہی وہ دہلیز ہو۔ انھوں نے مجھے تمھیں ساتھ رکھنے کا حکم دیا ہے۔“

یہ واقعہ حکمت اور بصیرت کا ایک ایسا سبق ہے، جو ہمیں سکھاتا ہے کہ گھر کی بنیاد شکر اور صبر پر استوار ہوتی ہے۔

کعبہ کی تعمیر:

کعبہ کی تعمیر ایک ایسی عظیم الشان داستان ہے جس کی عظمت و شان کو وقت کی گرد کبھی دھندلا نہیں سکتی۔ تاریخ گواہ ہے کہ کعبہ کئی بار منہدم ہوا اور تعمیر کیا گیا، مگر اس کی روحانی عظمت اور تقدس ہمیشہ برقرار رہا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اس مقدس گھر کی تعمیر میں ایسی محنت اور لگن سے کام کیا کہ ہزاروں انسانوں کی کاوشیں بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ جب اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ مکہ کی وادی میں ایک گھر تعمیر کریں، تو انھوں نے اپنے بیٹے اسماعیل سے مدد مانگی۔ اسماعیل نے فوراً حامی بھری: ”میں آپ کی مدد کروں گا۔“

چاں چہ باپ اور بیٹے نے مل کر ایک بلند ٹیلے پر کعبہ کی بنیادیں اٹھائیں۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے اور ابراہیم علیہ السلام دیواریں بناتے۔ جب دیواریں بلند ہوئیں، تو اسماعیل علیہ السلام ایک پتھر (مقامِ ابراہیم) لائے، جس پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے اور تعمیر جاری رکھی۔ اس دوران دونوں باپ بیٹے پتھر دیتے اور لیتے ہوئے دعا مانگتے رہے:

”اے ہمارے رب! ہماری اس خدمت کو قبول فرما، بے شک تو سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“ (البقرہ: 127)

اللہ نے کعبہ کی تعمیر کے وقت کا ذکر قرآن میں نہیں کیا، کیوں کہ اس سے زیادہ اہم اس گھر کو بنانے والوں کی روحوں کی پاکیزگی اور ان کی دعاؤں کی عظمت ہے۔ وہ دعائیں آج بھی کعبہ کے تقدس کا حصہ ہیں، جو ہر حاجی کے دل میں گونجتی ہیں۔

حجرِ اسود، جنت کا تحفہ:

حجرِ اسود، وہ مبارک پتھر جو کعبہ کی جنوب مشرقی دیوار میں جڑا ہے، اپنی عظمت اور تقدس میں بے مثال ہے۔ اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں، مگر سب اس کی حرمت اور عزت پر متفق ہیں۔ سب سے معتبر روایت کے مطابق، جب حضرت ابراہیم اور

اسماعیل علیہ السلام کعبہ کی تعمیر مکمل کر رہے تھے، تو دیوار میں ایک پتھر کی کمی رہ گئی۔ ابراہیم نے اسماعیل سے کہا کہ وہ ایک مناسب پتھر تلاش کریں۔ اسماعیل پتھر کی تلاش میں نکلے، مگر جب وہ واپس لوٹے تو دیکھا کہ وہ جگہ ایک پتھر سے پر ہو چکی تھی۔ انھوں نے اپنے والد سے پوچھا کہ یہ پتھر کہاں سے آیا۔ ابراہیم نے بتایا کہ یہ پتھر فرشتہ جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے ہیں۔

یہ حجرِ اسود جنت سے نازل ہوا تھا، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حجرِ اسود جنت سے نازل ہوا، وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا، پھر اسے بنی آدم کے گناہوں نے سیاہ کر دیا۔" (ترمذی: 877)

یہ پتھر، جو کبھی جنت کی سفیدی کا مظہر تھا، انسانوں کے گناہوں کی سیاہی سے اسود ہو گیا، مگر اس کی روحانی پاکیزگی اور تقدس آج بھی برقرار ہے۔ حجرِ اسود نہ صرف کعبہ کی زینت ہے، بلکہ وہ نشانی ہے جو مومنوں کو جنت کی یاد دلاتی ہے اور ان کے دلوں کو توحید کے نور سے منور کرتی ہے۔

اسماعیل علیہ السلام کی نبوت:

اللہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نبوت کے عظیم منصب سے نوازا۔ انھیں یمن کے قبیلہ عمالیقہ کی ہدایت کا فریضہ سونپا گیا۔ بعض روایات کے مطابق، انھوں نے پچاس سال تک اس قوم کو اللہ کا پیغام پہنچایا۔ کچھ لوگوں ان پر ایمان لائے، کچھ شرک اور کفر پر ڈٹے رہے۔ قرآن پاک میں اللہ نے ان کی نبوت کی تعریف یوں بیان کی:

"اور کتاب (قرآن) میں اسماعیل کا ذکر کرو۔ بیشک وہ وعدے کا سچا تھا، اور وہ رسول اور نبی تھا۔ وہ اپنے گھر والوں اور اپنی قوم کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا، اور اس کا رب اس سے راضی تھا۔" (مریم: 54-55)

اسماعیل علیہ السلام نے ہدایت کا یہ اصول اپنایا کہ پہلے خود دین پر عمل کیا، پھر اپنے گھر والوں کو اس کی تلقین کی، اور آخر میں اپنی قوم کو اللہ کا پیغام پہنچایا۔ ان کی زندگی اطاعت اور ہدایت کا ایک روشن نمونہ تھی۔

وصال:

بعض روایات کے مطابق، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا وصال 130 یا 137 سال کی عمر میں ہوا۔ ان کے بارہ بیٹوں نے ان کی نسل کو آگے بڑھایا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی وفات تک مکہ میں رہے اور انھیں ان کی والدہ حضرت ہاجر کے قریب، مسجد الحرام میں حجرِ اسود کے نزدیک دفن کیا گیا، واللہ اعلم۔ ان کا وصال ہو گیا، مگر ان کی میراث آج بھی کعبہ، زمزم، اور صفا و مروہ کی صورت میں زندہ ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زندگی ہر مومن کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کا توکل، ان کے والد حضرت ابراہیم کی اطاعت، اور ان کی اپنی قربانی اور نبوت کا جذبہ، یہ سب وہ جواہرات ہیں جو تاریخ کے اوراق میں انتہائی نفاست کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ وہ نہ صرف آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد ہیں، بلکہ ان کی زندگی ایک ایسی کتاب ہے جس کا ہر صفحہ ایمان، صبر، محبت، حکمت، تقدس اور ہدایت کی لازوال داستان بیان کرتا ہے۔ آج جب ہم کعبۃ اللہ کو دیکھتے ہیں، تو وہ ہمیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی، حضرت ہاجر کی جدوجہد، اور حضرت ابراہیم کی دعاؤں کی یاد دلاتا ہے۔ زمزم کا چشمہ، صفا و مروہ کی سعی، حجرِ اسود کا تقدس، اور کعبہ کی پاک دیواریں ان کے عظیم ایمان کی گواہی دیتی ہیں۔ کعبہ، جو کئی بار منہدم ہوا اور دوبارہ تعمیر ہوا، آج بھی اپنی روحانی عظمت کے ساتھ قائم ہے، گویا یہ بتاتا ہے کہ ایمان کی بنیادیں کبھی کمزور نہیں پڑتیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی داستان حیات ہمیں درس دیتی ہے کہ جب دل اللہ کے سپرد ہو، تو صحرا گلزار بن جاتا ہے، تنہائی رحمتوں کا مسکن بن جاتی ہے، اور ایک بنجر وادی دنیا کا روحانی مرکز بن جاتی ہے۔ یہ داستان ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں کی گئی محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ ❖❖

انوار حیات

صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا علمی و روحانی تسلسل

محمد اشفاق عالم امجدی

خطۂ ہند کی علمی و روحانی تاریخ میں چند ایسی قدسی صفات ہستیاں جلوہ گر ہوئیں، جن کے آثار و انوار زمان و مکان کی قید سے ماورا ہو کر آج تک فیض رساں ہیں۔ ان ہی درخشندہ ہستیوں میں ایک تابندہ نام حضرت صدرُ الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی نور اللہ مرقدہ کا ہے، جن کی علمی و فقہی خدمات ایک ایسا تسلسل ہیں، جو وقت کے نشیب و فراز سے بے نیاز ہو کر آج بھی اہلِ سنت کا سرمایۂ افتخار ہیں۔

صدرُ الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ ان نابغۂ روزگار علما میں سے ہیں، جنھوں نے فتنہ و گمراہی کے اندھیروں میں علم و عمل کی قندیلیں روشن کیں۔ آپ براہِ راست امام اہلِ سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے فیض یافتہ، علومِ رضویہ کے امین، اور فکرِ رضا کے مستند ترجمان تھے۔ وہ ایک ایسا پُرآشوب دور تھا، جب جدید فلسفوں کی یلغار اور دینی انحرافات کے سیلاب نے ملت کو تذبذب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ایسے نازک لمحے میں حضرت صدرُ الشریعہ نے ”بہارِ شریعت“ جیسی شاہکار تصنیف کے ذریعے علمِ فقہ کی ایسی شمع روشن کی، جو نہ صرف عوام کے لیے ہدایت کا چراغ بنی، بلکہ علما و مفتیانِ کرام کے لیے بھی ایک راہنما آئینہ ثابت ہوئی۔

علمی عبقریت اور فقہی بصیرت کا حسین امتزاج:

صدرُ الشریعہ محض فقیہ نہیں، بلکہ مفسرِ قرآن، محدثِ وقت، اصولی متکلّم، منطقی مفکر، اور عظیم مدرس بھی تھے۔ آپ نے فقہِ حنفی کو عام فہم اسلوب میں پیش کر کے ایک غیر معمولی کارنامہ انجام دیا۔ ”بہارِ شریعت“ آپ کا وہ علمی شاہکار ہے جو آج بھی مدارس، جامعات، خانقاہوں اور عوامی حلقوں میں مقبولِ عام ہے اور فقہی رہنمائی کا مستند مرجع ہے۔

آپ کا علم صرف ظاہری علوم پر محیط نہ تھا، بلکہ آپ باطنی اسرار و معارف کے بھی امین تھے۔ آپ کی اعلیٰ حضرت سے صرف نسبتِ ظاہری نہ تھی، بلکہ وہ ایک باطنی سلسلہ تھا جس میں روحانیت، تزکیۂ نفس، خشیت، اخلاص، اور تقویٰ کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ آپ کی مجالس صرف درسگاہیں نہیں، بلکہ روحانی تربیت گاہیں بھی ہوا کرتی تھیں۔

صدرُ الشریعہ کی فقہی آرا آج بھی جدید دینی مسائل میں دلیل و استناد کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ ان کا اسلوبِ استدلال، قوتِ استنباط، اور اندازِ تحریر آج کے فقیہ کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ان کے فتاویٰ اور تصانیف اہلِ سنت کے لیے نہ صرف علمی اثاثہ ہیں بلکہ ایک زندہ و متحرک فقہی نظام کی بنیاد بھی ہیں۔

عرسِ امجدی کے پرمسرت موقع پر استاذی الکریم مفتی اختر حسین قادری علیمی دامت برکاتہم نے ایک روح پرور واقعہ بیان فرمایا کہ ایک موقع پر مفتی خلیل احمد برکاتی کسی پیچیدہ مسئلے میں غور و فکر کر رہے تھے مگر راہ نہ پا رہے تھے۔ خواب میں حضور صدرُ الشریعہ تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ”مولوی! کیوں پریشان ہو؟“ عرض کیا: ”حضور! یہ مسئلہ حل نہیں ہو رہا۔“ فرمایا: ”بہارِ شریعت کے فلاں باب کا مطالعہ کرو، حل مل جائے گا۔“

یہ واقعہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ حضور صدرُ الشریعہ کا فیضان آج بھی اپنے عقیدت مندوں پر جاری ہے، اور آپ کی تربتِ انوار سے علم و حکمت کی شعاعیں مسلسل ضیاء پاشی کر رہی ہیں۔ ■

بچباری آبادپور کٹیہار

انوار حیات

صدر الشریعہ علیہ الرحمہ
حیات و خدمات

عادل رضا پور نوی

اللہ تعالیٰ نے اس جہانِ فانی میں راہ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں کی ہدایت کے لیے انبیاو مرسلین کو مبعوث فرمایا اور پھر علماے دین کے ذریعہ اصلاحات کا سلسلہ جاری رکھا تاکہ لوگ مسائلِ دینیہ کو سمجھ کر ان پر عمل کر سکیں۔ ایسے ہی مصلحین میں خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدرالشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی کی ذات ہے جو مصنف بہار شریعت کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ 1300ھ/مطابق 1882ء میں مشرقی یوپی (ہند) کے قصبہ گھوسی موجودہ ضلع مئو میں پیدا ہوئے۔

حضور صدرالشریعہ ایک ایسی نابغۂ روزگار ہستی کا نام ہے جو اپنے دور کے فقیہ اعظم اور اجلہ و اکابر علما کے استاذ ہیں اللہ رب العزت نے آپ کو جو تفقہ فی الدین اور فہم و بصیرت عطا فرمائی تھی وہ آپ کی ذات ستودہ صفات میں نمایاں ہے۔ آپ سے اس وقت کے جید اکابر علما بھی شرف تلمذ سے فیضیاب ہونا باعث فخر سمجھتے تھے اور لاینحل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایسی فقہی جلالت اور شرف و بزرگی سے سرفراز فرمایا تھا کہ آپ کے ہم عصر علما بھی آپ کی علمی جلالت اور محنت شاقہ کو دیکھ کر حیران نظر آتے تھے جیسا کہ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا کہ مولانا امجد علی اعظمی صاحب قبلہ اس طرح جوابات دے رہے تھے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک بحر ذخار موجیں مار رہا ہے۔

(ماہنامہ فیض الرسول مارچ 1932ء)

حضور صدرالشریعہ کا برصغیر ہندوپاک کے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ انھوں نے عربی کتب میں پھیلے ہوئے فقہی مسائل کو یکجا کر کے بہار شریعت کی شکل میں امت مسلمہ کو دیا۔ بہار شریعت آپ کی محنت شاقہ سے معرض وجود میں آئی۔

بہار شریعت حضور صدرالشریعہ کی فقہی بصیرت اور مہارت تامہ کا منہ بولتا ثبوت ہے جس میں انسان کی پیدائش سے لے کر وفات تک پیش آنے والے ہزاروں مسائل کا بیان موجود ہے۔ ان میں بے شمار مسائل ایسے بھی موجود ہیں جن کا سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض عین ہے۔ فقہِ حنفی کی مشہور کتاب فتاوی عالمگیری سیکڑوں علما کی کوششوں سے عربی زبان میں مرتب ہوئی مگر قربان جائیے صدرالشریعہ پر کہ آپ نے وہی کام اردو زبان میں بہار شریعت کی شکل میں تنِ تنہا کر دکھایا۔ جیسا کہ آپ خود تحدیثِ نعمت کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں: ”اگر اورنگزیب عالمگیر (رحمۃ اللہ علیہ) اس کتاب کو دیکھتے تو مجھے سونے سے تولتے۔“

علامہ امجد علی اعظمی اس ہستی کا نام ہے جنھوں نے ابتداے شباب سے ہی تدریس کا کام شروع کیا اور ایسے نابغۂ روزگار افراد تیار کیے جن پر علم و فضل کو بھی ناز ہے۔ آپ کے تلامذہ کے چند نام درج ہیں:

محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد علیہ الرحمہ (پاکستان)
حافظ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرآدابادی علیہ الرحمہ۔
مجاہد ملت علامہ الشاہ الحاج حبیب الرحمٰن علیہ الرحمہ اڑیسہ
شیر بیشۂ اہلسنت علامہ حشمت علی علیہ الرحمۃ لکھنوی۔

حضور صدرالشریعہ کے یہ وہ تلامذہ ہیں جن کے کارنامے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں تلامذہ آپ کے ایسے بھی ہیں جو اپنے وقت کے فقیہ اور محدث ہوئے۔

اللہ رب العزت ہمیں بھی دین متین کی نشر و اشاعت کا جذبہ فراواں عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ ◘

متعلم الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

انوار حیات

مجمع البحرین حضرت مفتی عبید الرحمٰن رشیدی مصباحی
چند یادیں اور باتیں

مبارک حسین مصباحی

رمضان المبارک کا موسم بہاراں تھا ،جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تعطیلِ کلاں ہو چکی تھی،ہم اپنے وطن قصبہ شاہ آباد ضلع رام پور میں تھے، تراویح کے بعد اتفاقیہ ہم نے اپنا موبائل آن کیا تو فیس بک پر مجمع البحرین حضرت مفتی عبید الرحمٰن رشیدی کے وصال کی اندوہناک خبر سامنے آئی، اس حادثۂ جاں کاہ کی خبر سے دل و دماغ کی حالت غیر ہونے لگی، کلمات استرجاع پڑھ کر کچھ تلاوت کی اور ان کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کیا۔ آپ کا وصال 11 رمضان المبارک 1445ھ/22مارچ 2024ء میں ہوا۔ سچائی یہ ہے کہ خادم مبارک حسین مصباحی عہدِ حاضر کی جن شخصیات سے متاثر ہے ان میں ایک اہم علمی اور روحانی شخصیت مجمع البحرین شیخ طریقت حضرت علامہ مفتی عبید الرحمن رشیدی مصباحی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تھی، آپ کا خطاب "مجمع البحرین" تھا، یعنی آپ کی پروقار شخصیت شریعت و طریقت کا حقیقی سنگم تھی۔ آپ خاک ہند کی شہرۂ آفاق اور بافیض درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ذی استعداد فاضل جلیل تھے، تصوف و روحانیت کے پیکر، حدیث و تفسیر کے ماہر، فقہی بصیرتوں کے حامل اور حالاتِ زمانہ پر عقابی نگاہ رکھنے والے دانش ور تھے، کردار و اخلاق ابتدا ہی سے ہر دل عزیز بنائے ہوئے تھے، اساتذہ آپ کی علمی صلاحیتوں کا اعتراف فرماتے تھے، اس لیے طالب علمی کے دور میں آپ کو معین المدرسین کا منصب عطا کیا گیا۔ آپ نے فراغت کے برس 1967 عیسوی میں فتاوی رضویہ جلد چہارم کی اولین اشاعت میں تصحیح میں معاونت فرمائی۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:

"جامعہ اشرفیہ میں زمانۂ طالب علمی کے اخیر سال 1967ء میں استاذ گرامی حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ نے مجھ سے کہا: فتاوی رضویہ کی چوتھی جلد کی کتابت ہو کر آئی ہے، اس کو اصل سے ملانا ہے، میں اکیلے یہ کام نہیں کر سکتا، اگر تم کو موقع ہو تو اس کام میں میری مدد کرو، تم پڑھنا اور میں دیکھتا رہوں گا، اگر کہیں کچھ فرق ہوا تو میں اس کی تصحیح کر دوں گا۔ تو میں نے اپنی سعادت سمجھتے ہوئے حضرت کے اس فرمان کو قبول کیا اور کئی مہینوں تک حضرت کے ساتھ میں نے یہ کام کیا۔"

1964ء میں آپ جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں داخل ہوئے،، اس وقت جامعہ میں ایک سے ایک یکتائے روزگار شخصیات تھیں ، خود حضور حافظِ ملت مٹی کو سونا بنانے کا فن جانتے تھے۔ مخلص اساتذہ کی پر سوز تعلیم و تربیت نے آپ کو ہر دل عزیز ہیرا بنا دیا۔ 1967ء میں آپ نے فضیلت کی تکمیل فرمائی اور سند و دستار سے سرفراز کیے گئے۔

اب ہم ذیل میں اساتذہ کے اسمائے گرامی مدارس کی وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

(1)- موضع بینی باڑی ضلع کٹیہار میں اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا حکیم لطیف الرحمان رشیدی علیہ الرحمہ سے میزان و منشب وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

(2)- دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار پورنیہ، بہار میں شرح جامی تک تعلیم حاصل کی ،یہاں بطور خاص شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی اور خواجۂ علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی وغیرہ اساتذہ تھے۔

(3)- دار العلوم حنفیہ رضویہ بنارس، یہاں کے مشاہیر

اساتذہ ہیں حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بھاگلپوری اور شمس العلما حضرت علامہ شمس الدین جعفری جون پوری۔

(4)- مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف میں حضرت علامہ صوفی مبین الدین محدث امروہوی ، حضرت علامہ تحسین رضا خاں بریلوی اور حضرت مفتی بلال احمد نوری۔

(5)-جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی، ماہر علوم وفنون حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی اور شیخ طریقت حضرت مولانا سید شاہ حامد اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی وغیرہ۔

جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ حضور حافظ ملت اور دیگر اہم اساتذہ کی نگاہوں کے مرکز تھے۔ قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری بھی جامعہ اشرفیہ مبار ک پور کے معروف فاضل جلیل ہیں ۔ آپ کو اپنے ادارے مدرسہ فیض العلوم جمشید پور کے لیے میں ایک باصلاحیت فاضل کی ضرورت تھی، آپ نے استاذ گرامی حضور حافظ ملت کی بارگاہ میں عریضہ پیش کیا حضور حافظ ملت کی نگاہ انتخاب آپ پر پڑی اور آپ کو مدرسہ فیض العلوم جمشید پور کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے روانہ فرما دیا، آپ نے علامہ ارشد القادری کی رہنمائی میں اپنی منصبی ذمہ داریاں بہ حسن وخوبی شروع فرمادیں، علامہ ارشد القادری اپنی گوناگوں خوبیوں کے ساتھ ماہر جوہر شناس بھی تھے، آپ نے حضرت مفتی صاحب کے وجود ناز میں پنہاں کار افتا کی صلاحیتوں کو دیکھ لیا اور پھر دار الافتا کا قلم دان بھی آپ کے حوالے کر دیا۔ آپ نے اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ فتویٰ نویسی کی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینا شروع کر دیا، اب آپ فتویٰ نویسی میں بھی اس دور کے اکابر علما کے معتمد ہو گئے۔

علامہ ارشد القادری بلاشبہ کام کی مشین تھے، ملکی اور عالمی سطح پر مختلف نوعیتوں کے ادارے اور تحریکیں قائم کرنا اور حیرت انگیز طور پر بڑی بڑی کانفرنسیں منعقد کرنا، آپ کی امتیازی خوبیوں کا ایک حصہ رہا ہے۔ 10/ 11/ 12 مئی 1968ء میں سیوان بہار میں سہ روزہ سنی کانفرنس منعقد کی جس میں اہل سنت کے اکابر علما اور مشائخ جلوہ گر ہوئے۔ آپ نے اپنے مشائخ کے مشورے سے ایک تجویز پاس کرائی کہ ہم اہل سنت کا بھی ایک دار القضا ہونا چاہیے، اس منصوبے کی تحریری ذمہ داریاں مشائخ اور اکابر علما نے مجمع البحرین حضرت مفتی عبید الرحمٰن رشیدی کو سونپی ، یہ کار خیر آپ نے بحسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچایا، 12 مئی 1948ء میں ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار کی بنیاد ڈالی گئی اور اس کی توسیع وترقی کے لیے سنی کانفرنس پٹنہ کا انعقاد ہوا۔ اب "شہرِ خموشاں کے چراغ" کے حوالے سے اس کا پس منظر ملاحظہ فرمائیے

"ہندستان میں کئی لاکھ مسلم خواتین ہیں جن کی ازدواجی زندگی آفات کے نشانے پر ہے جن کے شوہر نہ حق زوجیت ادا کرتے ہیں نہ نان نفقہ کی کفالت کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں طلاق دیکر آزاد کر دیتے ہیں کہ وہ اپنی آسائش وعزت نفس کا کوئی راستہ اپنے طور پر نکال سکیں۔ اپنی گلوخلاصی کے لیے وہ غیر مسلم حکام کی طرف بھی رجوع نہیں کر سکتیں کہ اسلام اپنے مذہبی امور میں کسی غیر مسلم کو مداخلت کا حق نہیں دیتا۔ ایسی عورتوں کی قرار واقعی مشکلات کے حل کے لیے چند ماہ ہوئے ادارہ شرعیہ بہار نے اہل سنت کے مشاہیر علما سے ایک استفتا کیا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے:

(1) آج کے حالات میں کیا از روئے شرع مسلمانوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے معاشرتی اور ازدواجی معاملات کا فیصلہ کرنے کے لیے قاضی منتخب کریں۔

(2) کیا مسلمانوں کے منتخب کردہ قاضی کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ مظلوم عورتوں کے مقدمات کی سماعت کر کے اپنی صوابدید کے مطابق فسخ نکاح کا حکم لگا سکے۔

چنانچہ ضرورت ومصلحت کے تحت فقہی عبارتوں کی روشنی میں حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب جون پوری، حضرت مولانا الحاج مفتی عبد الرشید خاں صاحب شیخ الجامعہ

ناگپور، نائب مفتی اعظم حضرت مولانا شریف الحق صاحب امجدی، حضرت مولانا مفتی بدر الدین صاحب براؤں شریف اور حضرت مولانا عبید الرحمن صاحب استاذ جامعہ فیض العلوم جمشید پور نے نہایت مدلل طور پر یہ فتوی صادر فرمایا کہ عامہ مسلمین کو قطعًا یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے ازدواجی معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے کسی صحیح العقیدہ سنی عالم دین کو اپنا قاضی منتخب کر لیں۔ حسب ضرورت ومصلحت اس قاضی کو شرعاً بشرط معہودہ فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔

پٹنہ کے اجتماع میں ان موصول شدہ فتوؤں پر غور و خوض کرنے کے لیے سیدی حضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم کی سرپرستی میں اکابر علما کی ایک مجلس شوری منعقد ہوئی۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد حضور مفتی اعظم ہند نے موصول شدہ فتویٰ کی توثیق فرمادی۔ اس کے بعد حضرت سید العلما مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ صاحب قبلہ برکاتی، حضرت استاذ العلما حافظ عبد العزیز صاحب شیخ الحدیث اشرفیہ مبارک پور، سلطان المتکلمین حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب مفتی اعظم کان پور، مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب قبلہ نے فتوؤں کی تائید میں اپنے اپنے دستخط ثبت فرمادیئے۔ اور ادارہ شرعیہ بہار کے مرکزی دفتر میں باضابطہ دار القضاء کا قیام عمل میں آ گیا۔(شہرِ خموشاں کے چراغ، ص:265،از: مبارک حسین مصباحی، ناشر المجمع المصباحی، مبارک پور)

پٹنہ کی سرزمین پر ادارہ شرعیہ کا قیام عمل میں آیا، اس کا ایک شعبہ دار القضاء تھا۔ ابتدائی طور پر یہ دار القضاء بہار، بنگال اور اڑیسہ کا مشترکہ دار القضاء تھا، علما اور مشائخ نے تین صوبوں پر مشتمل اس دار القضاء کا مفتی اور قاضی مجمع البحرین حضرت علامہ مفتی عبید الرحمٰن رشیدی کو منتخب کیا، اکابر اور مشائخ کی نگاہ میں آپ ابتدا ہی سے منتخب تھے۔

اب آپہ چند لمحے ٹھہر کر غور کریں کہ ۱۹۶۷ء میں آپ کی دار العلوم اشرفیہ مبارک پور سے فراغت ہوئی اور ۱۹۶۸ء میں آپ اپنے اکابر اور مشائخ کے معتمد ہو گئے اور مشائخ نے آپ کو تین صوبوں کے مشترکہ دار القضا کا مفتی اور قاضی منتخب کر دیا، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

چند برس آپ نے مدرسہ فیض العلوم جمشید پور میں حدیث وفقہ وغیرہ کی خدمت انجام دی، اس کے بعد آپ مدرسہ حمیدیہ رضویہ بنارس میں چند برس تدریس اور فتویٰ نویسی فرماتے رہے، اس کے بعد آپ کے استاذ گرامی اشرف العلما حضرت سید حامد اشرف کچھوچھوی نے آپ کو دار العلوم محمدیہ ممبئی دورۂ حدیث کی تدریس کے لیے دعوت دی۔ آپ تشریف لے گئے مگر کچھ ہی عرصے بعد آب و ہوا کی نامساعدگی کی وجہ سے مستعفی ہو گئے، مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف، دار العلوم امجدیہ ناگ پور اور دار العلوم ندائے حق جلال پور ضلع امبیڈکر نگر میں تدریس اور فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد آپ جامعہ شمس العلوم قصبہ گھوسی ضلع مئو، پانچ برس 1986ء تک مقیم رہے اور تدریسی اور فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دیتے رہے۔

یہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ہماری طالب علمی کا دور تھا، گاہے بہ گاہے آپ کے علمی فضائل اور روحانی معارف کے بارے میں سنتے رہتے تھے۔ انہی دنوں آپ کی معروف تحقیقی کتاب "اختیار نبوت" شائع ہو کر آئی تو ہم نے اپنی علمی وسعت کے مطابق اس کا مطالعہ کیا۔ آپ کی نکتہ رس تحریر اور فکر انگیز حسن استدلال نے حد درجہ متاثر کیا۔ یہ کتاب در اصل مولوی صفی الرحمٰن مبارک پوری کی کتاب "رزم حق و باطل" کے جواب میں تحریر کی گئی تھی۔ "اختیارِ نبوت" یہ ایک بے مثال اور مدلل کتاب ہے۔ بفضلہ تعالیٰ اس کا تازہ ایڈیشن کمپوز شدہ شاہ عبد العلیم آسی فاؤنڈیشن دہلی سے بھی شائع ہو کر منظر عام پر آ گیا ہے۔ آپ کی تحریریں قرآن وحدیث کی روشنی میں بڑی پر مغز ہوتی ہیں، آپ کے فتاویٰ مدلل اور فقہی بصیرتوں سے لبریز ہوتے ہیں۔ آپ نے ایک اہم کتاب " بیان حقیقت " رقم فرمائی جو دیوبندی مولوی کے کتابچے "نور حق" کے جواب میں منظر عام پر آئی۔ "جواہر الحدیث" محمد ثانہ بصیرت کا سرمایہ ہے، فارسی زبان میں "گنج ارشد" میں مذکور حضرت شمس الحق شیخ محمد رشید جون پوری کے معمولات کو اردو ترجمہ کر کے "معمولات قطب

الارشاد" مرتب فرمائی۔ مختلف مقامات میں لکھے گئے آپ کے گراں قدر فتاویٰ بھی متعدّد جلدوں پر مشتمل ہوں گے، کسی اہل علم کو چاہیے کہ انھیں وہ سلیقے سے مرتب کردے۔

آپ نے درجنوں کتابوں پر مقدمات اور تاثرات لکھے ہیں۔ آپ نے "بوستان آسی اول" کے آغاز میں قطب العرفا حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم آسی غازی پوری قدس سرہ کے صوفیانہ اشعار کی جو عارفانہ توضیحات رقم فرمائی ہیں، اس نے اس حقیر کو بے پناہ متاثر کیا۔ ہمارا مشورہ ہے کہ ہر عالم اور صوفی کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے، ہم خاص طور سے جدید مفتیانِ کرام سے عرض کریں گے کہ وہ اس اہم صوفیانہ تحریر اور آپ کی دیگر عارفانہ تحریروں کا مطالعہ فرمائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان کے لیے مفید ہوں۔

"مناقب العارفین" حضرت شیخ لیّن جھونسوی قدس سرہ کی فارسی زبان میں ہے، یہ وقیع کتاب قطب العارفین مخدوم شاہ طیب بناری اور ان کے سلسلہ کے مشائخ کے حالات و مناقب پر مشتمل ہے، اس کے کچھ حصوں کا ترجمہ پروفیسر سید غلام سمنانی جون پوری نے کیا ہے، اس پر مجمع البحرین حضرت مفتی عبید الرحمٰن رشیدی کا گراں قدر مقدمہ ہے۔ اس میں آپ نے مخدوم شاہ طیب بنارسی کی فارسی زبان میں تصنیف "صلوٰۃ طیبی" ہے جو ۱۹۹۰ء تک غیر مطبوعہ قلمی تھی، اس کے ایک فارسی اقتباس کی روشنی میں وحدۃ الوجود کی جو توضیح رقم کی ہے، حق یہ ہے کہ آپ نے حق ادا کردیا ہے۔

آپ کا خانوادہ خانقاہ عالیہ رشیدیہ جونپور سے وابستہ تھا، اس لیے آپ بھی 1956ء میں منظور الحق حضرت سید شاہ علی سبز پوش گورکھ پوری دسویں سجادہ نشین خانقاہ عالیہ رشیدیہ جونپور کے دست اقدس پر سلسلہ چشتیہ رشیدیہ میں بیعت ہوئے۔ آپ کو اپنے والد گرامی حضرت مولانا حکیم لطیف الرحمن رشیدی، حضرت مولانا شاہ غلام محمد لیّن رشیدی اور حضرت سید شاہ زاہد سجاد جعفری پٹنوی سے خلافتیں حاصل ہوئیں۔

عہدِ طالب علمی ہی سے آپ کی شہرت و مقبولیت شروع ہوگئی تھی۔ آپ قرطاس و قلم اور فتاویٰ نویسی کے بھی دھنی تھے۔ جس دور میں آپ مدرسہ شمس العلوم قصبہ گھوسی میں شیخ الحدیث تھے تو ہم نے آپ کو کچھ کچھ پہچانا مگر ہمارا اس وقت بھی تاثر یہی تھا کہ آپ ایک باصلاحیت فاضل جلیل ہیں۔ اس کے بعد آپ کو خانقاہ عالیہ رشیدیہ جونپور کا سجادہ نشین بنادیا گیا، اس کے بعد ہم بھی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے خادم التدریس اور اس کے ترجمان ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے مدیر بنا دیے گئے۔ اب باہم شناسائی بھی ہوگئی۔ ملاقات اور زیارت تو ہم پہلے بھی کر چکے تھے برسوں پہلے کی بات ہے، ایک بار آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے، آپ حضرت مولانا احمد رضا مصباحی کیشرٔ علیہ الرحمہ کے آفس میں جلوہ گر تھے، حسنِ اتفاق ہم بھی پہنچ گئے، زیارت کرکے بے پناہ مسرت ہوئی۔ چائے نوشی کے درمیان آپ سے شرف ہم کلامی حاصل ہوا، کوئی مسئلہ آ گیا ہم نے آپ کی علمی اور روحانی شخصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے عرض کیا: حضور اس موضوع پر آپ لکھ دیجئے، آپ نے مسکراتے ہوئے ہماری جانب دیکھا اور اپنے خاص انداز میں معروف شاعر نیازؔ کا یہ مصرع پڑھا۔

جو لکھا پڑھا تھا نیازؔ نے سو وہ صاف دل سے بھلا دیا

یہ مصرع سن کر حاضرین کے چہروں پر مسرت و شادمانی کے آثار ظاہر ہوئے۔

اس کے بعد بھی آپ متعدّد بار جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے اور شرفِ نیاز بھی حاصل ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض و برکات سے ہم سب کو شاد کام فرمائے، آمین۔

ہمیں یاد آرہا ہے کہ مجمع البحرین حضرت مفتی عبد الرحمٰن رشیدی کی قیادت و سرپرستی میں خانقاہ طیبہ معینیہ درگاہ شریف، منڈواڈیہ بنارس منعقدہ سیمیناروں میں یاد کیا گیا مگر افسوس ہم ایک بار بھی شرکت کی سعادت حاصل نہیں کر سکے۔ محب گرامی وقار حضرت مونا ابرار رضا مصباحی دام ظلہ العالی معروف قلم کار، متعدّد کتابوں کے مصنف اور "بوستان آسی" تین جلدوں وغیرہ کے

مرتب ہیں، آپ عربی و فارسی عبارتوں کے اردو ترجمہ نگار بھی خوب ہیں۔ خانقاہ رشیدیہ کے مشائخ اور سجاد گان سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔ مجمع البحرین حضرت مفتی عبید الرحمان رشیدی علیہ الرحمہ کے دامن سے وابستہ ہیں، انہی کے فیضان و کرم سے شاہ عبدالعلم آسی فاؤنڈیشن دہلی میں بحیثیت رکن مقیم ہیں۔ آپ خادم مبارک حسین مصباحی غفرلہ سے حد درجہ محبت فرماتے ہیں۔ خادم متعدّد بار شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن دہلی میں حاضر ہو چکا ہے پیش نظر تحریر بھی آپ کے حکم پر لکھ رہا ہوں۔ حضرت مولانا ابرار رضا مصباحی نے متعدّد بار بوستانِ آسی کے لیے مضمون لکھنے کے تقاضے کیے مگر افسوس مواد اور موضوع منتخب کرنے کے باوجو لکھ نہیں سکا۔ ہاں آپ کی کتاب ”بندگی شیخ مصطفٰے عثمانی“ پر تبصرہ لکھ کر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور میں شائع کیا۔ بقول حضرت مولانا ابرار رضا مصباحی، حضرت مجمع البحرین نے پڑھ کر بے پناہ مسرت کا اظہار فرمایا اور بہت دعاؤں سے نوازا۔

مجمع البحرین حضرت مفتی عبید الرحمٰن رشیدی علیہ الرحمہ ذمہ دار اور مستند مفتی تھے، آپ کی تحریروں میں علمی رنگ نمایاں رہتا ہے۔ لہجہ سنجیدہ اور پر وقار ہوتا ہے، آپ کی تحریروں میں جامعیت اور بلاغت ہوتی ہے، آپ نے کم ہی لکھا ہے مگر جو لکھا ہے اپنے موضوع کا بڑی حد تک حق ادا کر دیا ہے۔ آپ کی نگارشات میں تصوف کے رموز و اسرار کا رنگ گہرا ہوتا ہے آپ ایک خود دار عالم ربانی تھے، چاپلوسی سے کوسوں دور رہتے تھے، تواضع و انکساری فطرت ثانیہ تھی، غرور و تکبر کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ اور آپ کے اہل و عیال پر خانقاہ رشیدیہ کا صوفیانہ رنگ غالب رہتا ہے۔

آپ کی ولادت ماہ رجب المرجب بروز سہ شنبہ 1362ھ / 1944ء میں ضلع کٹیہار کے موضع بینی باڑی میں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری اور باطنی علوم و معارف کا سنگم بنایا تھا، آپ نے یادگار علمی اور روحانی خدمات انجام دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض و برکات سے ہم سب کو مسلسل شاد کام فرمائے۔ آمین۔ ■

(ص:49 کا بقیہ)۔ مفتی انس عطاری تحریر فرماتے ہیں:

”مشاجراتِ صحابہ کا موضوع موجودہ دور میں ایک اہم حیثیت رکھتا ہے، چوں کہ بعض نیم رافضی مولوی اہل سنت کا لبادہ اوڑھ کو عوام کو صحابہ کرام بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لیے اہل علم حضرات پر لازم ہے کہ وہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کی صحیح طریقہ سے راہنمائی کریں اور عوام الناس کو صحابۂ کرام کے متعلق زبان درازی سے باز رکھیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے متعلق جو فرامینِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں ان کو بیان کریں۔

دفاعِ صحابہ کے اس فریضہ کو مولانا ابو حامد عمران رضا عطاری مدنی نے بہت احسن طریقے سے ادا کیا اور اپنی مایہ ناز کتاب بنام ”مشاجرات صحابہ اور نظریہ اہل سنت“ میں بہت خوبصورت انداز میں قرآن و حدیث، صحابۂ کرام، ائمۂ کرام، محدثین وفقہا سے اس مسئلہ میں نظریۂ اہل سنت کو پیش کیا اور مدلل عقلی و نقلی انداز سے یہ ثابت کیا کہ مشاجراتِ صحابہ کے مسئلہ میں مسلمانوں پر یہی لازم ہے کہ وہ کسی بھی صحابی پر تنقید نہ کریں بلکہ تمام صحابۂ کرام کا ادب کریں اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا تذکرہ اسی انداز سے کریں کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں، ان سے بدظن نہ ہوں اور یہی نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیمات سے ثابت ہے۔

مولانا موصوف کا یہ علمی شاہکار نہ صرف علم و تحقیق میں گہری دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہے، بلکہ ہر مسلمان کے لیے ایک رہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے تاکہ وہ صحابۂ کرام کے مابین رونما ہونے والے اختلافات کو سمجھ کر ان کے بارے میں فرقہ وارانہ یا غیر علمی آرا سے بچ سکیں۔

مولانا موصوف کی اب تک درجن بھر کتابیں زیور طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو کر بزم مطالعہ کی زینت بن چکی ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ ■■■

آئینۂ عالم

فلسطین کا معاملہ

عالمی میڈیا کا مکروہ چہرہ

ڈاکٹر ظہور احمد دانش

کسی داستان غم کو لکھنا اور اس کو بیان کرنا تو میں سمجھتا ہوں کہ بہت آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ جو اس داستان غم کا حصہ بنے۔ جن پر وہ ظلم کی آندھیاں چلیں۔ جنھوں نے اپنے کندھوں پر اپنے پیاروں کے لاشے اُٹھائے۔ جن کے سامنے ان کا گھر، محلہ، شہر، ملک کھنڈر بن گیا ہوں۔ اف میرے مالک!!

قارئین! میں فلسطین کی باتیں کے نام سے ایک سیریز لکھ رہا ہوں صرف اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا ہوں ایک حجت قائم کرنے کی ایک کوشش کر رہا ہوں کہ قیامت میں اپنے کریم کو عرض کر سکوں کریم رب لکھ کر تیرے بندوں کو اطلاع دینے کا کام کرنے اور کرب کی شدب بتانے کی اپنے حصے کی کوشش کرتا رہا۔ میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ سوری پیارے اللہ!!

بات طویل ہوجائے گی۔ عالمی میڈیا کا مکروہ رویہ بھی ہم آپ آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ آپ خود ہی انداز کر لیجئے گا کہ آخر ہمارے ساتھ گیم کیا ہوگیا۔ آئیے اصل موضوع کی طرف بڑھتے ہیں۔

مغربی میڈیا کا اسرائیل کی بولی بولنا:

الجزیرہ کی ایک رپورٹ کے مطابق، CNN اور BBC کے صحافیوں نے انکشاف کیا ہے کہ ان کے نیوز رومز میں اسرائیل کے حق میں تعصب پایا جاتا ہے، جس سے فلسطینیوں کی مشکلات کو کم اہمیت دی جاتی ہے۔ اسی طرح، The Nation کی ایک تجزیاتی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ CNN اور MSNBC نے غزہ کی جنگ کی ابتدائی 100 دنوں میں فلسطینیوں کو کم ہمدردی کے ساتھ پیش کیا، جب کہ اسرائیلی اور یوکرینی متاثرین کو زیادہ انسانی پہلو سے دکھایا گیا۔

BBC کا قابل تشویش رویہ:

BBC کی ڈاکیومنٹری "Gaza: How to Survive a War Zone" میں عربی الفاظ "یہود" اور "جہاد" کو "اسرائیلی افواج" اور "مزاحمت" کے طور پر ترجمہ کیا گیا، جس پر شدید تنقید کی گئی۔ یہ ترجمے صحافتی اصولوں کی خلاف ورزی کے طور پر دیکھے گئے، کیوں کہ اس سے ناظرین کو اصل بیانیے سے محروم رکھا گیا۔

مظلوم فلسطینوں کی کوریج میں بخل:

مغربی میڈیا نے اسرائیلی قیدیوں کی رہائی کو نمایاں طور پر کوریج دی، جب کہ 1,900 سے زائد فلسطینی قیدیوں کی رہائی کو کم اہمیت دی گئی۔ یہ عدم توازن میڈیا کی جانب داری کو ظاہر کرتا ہے۔

سوشل میڈیا پر فلسطین کے لیے رویہ

2025 میں، Meta (فیس بک اور انسٹاگرام) نے اسرائیلی حکومت کی درخواست پر 94٪ مواد کو ہٹا دیا، جو فلسطینیوں کے حق میں یا اسرائیل پر تنقید پر مبنی تھا۔ اس سے سوشل میڈیا پر بھی فلسطینی آوازوں کو دبانے کا رجحان ظاہر ہوتا ہے۔

عالمی میڈیا اکثر **فلسطینی مزاحمت کو "دہشت گردی"** جب کہ اسرائیلی حملوں کو **"دفاعی کارروائی"** کے طور پر پیش کرتا ہے۔

آئیے میں کچھ اخباری تراشوں سے خبروں کی مثالیں پیش کرتا ہوں آپ خود فیصلہ کر سکیں گے کہ ہو کیا رہا ہے

خبر: جب اسرائیل نے غزہ میں 2023–2024 میں بمباری کی، تو **The New York Times** اور **Reuters** نے سرخی میں لکھا "Israel retaliates after":

"Hamas rocket fire" جب کہ حقیقت یہ تھی کہ بمباری کا آغاز اسرائیل نے خود کیا تھا۔

حوالہ Middle East Eye – Gaza coverage analysis, 2024:

2024–2023 میں **123 فلسطینی صحافی شہید** ہوئے، جن میں الجزیرہ کے مشہور رپورٹر **شریف ابو عاقلہ** کی شہادت عالمی توجہ کا مرکز بنی۔ تاہم، CNN، BBC، Fox News جیسے اداروں نے ان واقعات پر **یا تو رپورٹنگ نہ کی یا غیر واضح انداز میں** کی، گویا فلسطینی صحافیوں کی زندگی کم قیمتی ہو۔

حوالہ Committee to Protect Journalists (CPJ), 2025 Report:

اسرائیلی شہری کی موت کو "Breaking News" بنا کر دنیا کو دکھایا جاتا ہے۔ جب کہ **ایک ہی حملے میں شہید ہونے والے 40 فلسطینی بچوں** کو ایک عددی خبر یا کونے کی تصویر میں محدود کر دیا جاتا ہے۔ امریکی چینلز نے **اسرائیلی متاثرین کو اوسطاً 6 گھنٹے کی کوریج دی جب کہ فلسطینی شہداء پر صرف 40 منٹ دی۔**

حوالہ [Media Bias Monitoring Institute, 2025 Media Equity Index]:

جب کوئی رپورٹر فلسطینیوں پر مظالم کی بات کرتا ہے، تو فوری "دونوں طرف" کی بات شامل کر دی جاتی ہے۔ مگر اسرائیلی بیانیہ بغیر توازن کے نشر ہوتا ہے یہ توازن نہیں، سچائی کو "کمزور" کرنے کی چال ہے۔

Meta (Facebook, Instagram) نے 2024 میں فلسطینی ہیش ٹیگز پر **شدید سینسر شپ** کی

TikTok نے "Free Palestine" ٹرینڈ کو محدود کیا۔ Twitter/X پر فلسطینی صحافیوں کے اکاؤنٹس بند کیے گئے۔

آپ میری بات سمجھ رہے ہوں گے ہم مسلمانوں کے ساتھ ہو کیا رہا ہے افسوس اتنے مسلم ممالک ٹیکنالوجی میں اپنا کوئی کردار ادا نہ کر سکے۔ کوئی اپنا سرچنگ انجن نہ بنا سکے۔ کوئی سوشل میڈیا اپنا پلیٹ فارم نہ بنا سکے۔ سیٹلائٹ پر کوئی کام نہ کر سکے، افسوس.... بعض مسلم ممالک کے چینلز نے فلسطین کی رپورٹنگ کو محدود کیا تاکہ **سفارتی تعلقات متاثر نہ ہوں**، مثلاً UAE، بحرین، اور مراکش کے سرکاری میڈیا میں **حماس، اسرائیل تنازع** کو جان بوجھ کر کم اہمیت دی گئی

New York Times ،AP ،BBC ،CNN کے درجنوں صحافیوں نے 2024 میں **اپنے اداروں کے تعصب** پر کھلا خط لکھا: ہم غیر جانب دار صحافت کے دعوے دار ہیں، مگر سچائی کو چھپانے کے گواہ بھی۔ قارئین: 2025 تک کے تجزیے سے واضح ہے کہ **عالمی میڈیا نے فلسطین کے ساتھ منصفانہ رویہ اختیار نہیں کیا۔ صحافت کے بنیادی اصول — سچ، توازن، انسانی ہمدردی کو جانب داری، لابی، اور پالیسی نے دبا دیا۔** فلسطین نہ صرف زمینی جنگ بلکہ **بیانیے کی جنگ** بھی لڑ رہا ہے۔ سچ کی آواز بند کی جا سکتی ہے، دبائی جا سکتی ہے۔ لیکن فلسطینی بچے کا خون... کیمرہ نہ بھی دکھائے تو بھی تاریخ ضرور لکھے گی۔

سوشل میڈیا پر فضولیات کی نمائش کرنے والو!! دشمن نے تمہیں کھیل تماشوں میں لگا کر خود دریافت اور ریسرچ کی دنیا میں تہلکا مچا دیا۔ تمھاری نسلوں کو ذہنی طور پر برباد اور تمھیں ہلاک کرنے کا پورا بندوبست کر رکھا ہے۔ کچھ ہوش کے ناخن لو۔ جس سوشل میڈیا پر اتراتے ہو۔ گولڈن، سلور، ڈائمنڈ بٹن میں الجھے اور بگڑے نوجوانوں رب کا واسطہ یہ انھی کا پلیٹ فارم ہے۔ جب چاہیں تمھاری آواز بند کر دیں۔ ابھی وقت ہے، سنبھل جاؤ۔ میری مثال تو خریداران یوسف ہی کی سی ہے کہ کچھ بڑا نہیں تو اپنے حصے کی اپنے کمرے سے آواز تو بلند کر سکتا ہوں وہی کر لیتا ہوں۔ اے پیارے اللہ !! تیرے نام لیوا بہت تکلیف میں ہیں کوئی معجزہ کر دے، مالک اتار دے ابابیل۔ مالک فضائے بدر بنا دے۔

■■■■■■

یادِ ماضی

مبارک پور کی معاشی و معاشرتی تاریخ

مہتاب پیامی

روایت، جدوجہد اور بقا کی داستان:

ضلع اعظم گڑھ کی آغوش میں آباد قصبہ مبارک پور، محض ایک جغرافیائی حقیقت کا نام نہیں بلکہ ہنر، روایت اور محنت کی ایک زندہ علامت ہے۔ یہ قصبہ اپنے ریشمی اور مرکب کپڑوں کی نفاست، رنگوں کی دلکشی اور دست کاری کی باریکی کے لیے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر میں جانا جاتا رہا ہے۔ مبارک پور کی گلیوں میں گونجتے کرگھوں کے سُر تال کی آوازیں صدیوں سے محنت کش کاریگروں کی سانسوں سے وابستہ رہی ہیں۔

مبارک پور کی یہ روایت صرف ایک صنعتی سرگرمی نہ تھی، بلکہ ایک ثقافتی ورثہ تھی جو سانگی، گلٹا اور جمدانی (جامدانی) جیسے روایتی کپڑوں کی تیاری میں جھلکتی تھی۔ ان کپڑوں میں صرف دھاگے نہیں بُنے جاتے تھے بلکہ صدیوں پرانی ہنرمندی، فنی لطافت اور نسلوں کی یادیں بھی سموئی جاتی تھیں۔ مبارکپور کی بنائی ہندوستانی برآمدات کا فخر تھی، جس نے مغلیہ دور سے لے کر قبل از استعماری زمانے تک عالمی منڈیوں میں اپنی ایک الگ پہچان قائم کی۔

تاہم، جب برطانوی استعمار کی آہنی زنجیریں ہندوستان کے گلے کا پھندا بن گئیں، تو دست کاری کے اس تاج پر بھی زوال کے گرد و غبار چھا گئے۔ مشینی ٹیکسٹائل انڈسٹری کی یلغار نے کاریگروں کے ہنر کو رفتہ رفتہ پس منظر میں دھکیل دیا، مشینوں کی بے جان رفتار نے ہاتھ کی نرم جنبشوں کو گم کر دیا۔ استعماری معیشت نے جہاں ایک طرف مشینی مصنوعات کو سرکاری سرپرستی دی، وہیں دوسری جانب مبارک پور جیسے علاقوں میں محنت کش بنکروں کی معیشت کو کمزور کر کے رکھ دیا۔

انیسویں اور بیسویں صدی کے سنگم پر جب دست کاروں کی آواز دھیمی پڑنے لگی، تب مبارک پور کے بنکروں نے ایک نئی راہ کا انتخاب کیا۔ انھوں نے خالص ریشمی ساڑیوں کی تیاری میں اپنی مہارت کو نئی جہت دی۔ ان ساڑیوں کی نزاکت، نفاست اور رنگوں کی ہم آہنگی نے انھیں نہ صرف ملکی بلکہ بین الاقوامی سطح پر ممتاز مقام دلوایا۔ اس کامیابی میں بنارس کے تاجروں کی فراخ دلانہ حمایت اور سرکاری سرپرستی نے بھی اہم کردار ادا کیا۔

لیکن یہ کامیابی دیرپا نہ تھی۔ جب بیسویں صدی کے وسط میں صنعتی انقلاب نے پاور لومز کی صورت میں نئی دنیا آباد کی، تو ہاتھ کی بنائی ایک بار پھر پسپا ہونے لگی۔ مئو جیسے قریبی علاقوں میں پاور لومز کی تیز رفتاری اور کم لاگت نے روایتی دست کاری کے لیے خطرے کی گھنٹی بجا دی۔ مگر مبارک پور کے ہنرمند، جن کے ہاتھوں کی حرکت رزقِ حلال کی جستجو میں عبادت کی طرح تھی، انھوں نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ اپنی روایات کے ساتھ جُڑے رہے، جیسے کوئی دریا اپنی پرانی گزرگاہ چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو۔ اس صنعت کا دل مسلم بنکر برادری کے سینے میں دھڑکتا رہا۔ اس برادری کے لیے بنائی محض ذریعۂ معاش نہیں بلکہ ان کی تہذیبی شناخت، سماجی مرتبت اور شخصی وقار کا سنگم تھی۔ انھوں نے نہ صرف معاشی بحرانوں کا سامنا کیا بلکہ بدلتے زمانے کے ذہنی دباؤ کو بھی سہنا سیکھا۔ ان کی بقا کی جدوجہد صرف روزگار کے لیے نہیں بلکہ اپنی ذات، اپنے وجود اور اپنی تاریخ کو بچانے کے لیے تھی۔ آج اگر ہم مبارک پور کی بنائی کے زوال کو سمجھنا

چاہیں، تو ہمیں اسے محض مذہبی یا طبقاتی تناظر میں محدود کرنا دانش مندی نہ ہوگی۔ اس صنعت کا زوال کئی تہوں پر پھیلا ہوا ایک پیچیدہ عمل ہے، استعماری معیشت کی سازش، صنعتی ترقی کی یلغار، خام مال کی فراہمی میں کمی، اور صارفین کے رجحانات میں تیزی سے آتی تبدیلیاں، سب نے مل کر مبارک پور کے بنکروں کے لیے راستے تنگ کیے۔ تاہم، اس تمام پس منظر میں ایک روشنی کی کرن اب بھی باقی ہے—وہ ہے ان کاریگروں کا عزم، ان کی لگن اور ان کا ہنر، جو آج بھی ان کے دلوں میں زندہ ہے۔ اگر مناسب سرپرستی، تربیت، اور مارکیٹ تک رسائی دی جائے، تو مبارک پور کی بنائی ایک بار پھر دنیا میں اپنی پہچان واپس پا سکتی ہے۔

مشرقی اتر پردیش کی بنکر تہذیب: مبارکپور کے تناظر میں ایک تاریخی و سماجی مطالعہ:

قدیم ہندوستان کی تہذیبی گزرگاہوں میں سے ایک، مشرقی اتر پردیش، محض زمین اور دریا کی سرزمین نہیں بلکہ ہنر اور حرفت کی وہ دنیا ہے جہاں وقت کی چادر پر بُنائی کے حسین نقوش ابھرتے رہے ہیں۔ اس خطے کی فضا صدیوں تک سوت کی مہک اور کھڈیوں کی لے میں گونجتی رہی۔ زمانۂ قدیم کے دانشور کوٹلیہ نے جس وقت کاشی اور الہ آباد (وتس دیس) کو اعلیٰ درجے کے روئی کے کپڑے کی تیاری کے مراکز قرار دیا، اسی لمحے اس خطے کے ہنر کو ایک تاریخی سند بھی عطا ہو گئی۔

مسلم بنکروں کی آمد اور ان کے توسط سے اس صنعت میں قرونِ وسطیٰ کے دوران جو نکھار آیا، وہ ایک معاشرتی تبدیلی کا مظہر تھا۔ وہ ہنر جو پہلے صرف شہری دست کاروں تک محدود تھا، اب نسلاً بعد نسل منتقل ہونے والے پیشے کی صورت اختیار کر گیا۔ اسلام قبول کرنے والے ان کاریگروں نے محض مذہب نہیں اپنایا، بلکہ اپنے ہنر کو بھی ایک نئی روح بخشی۔ اودھ کے نوابوں کی سرپرستی ہو یا ایسٹ انڈیا کمپنی کا ظہور، ٹانڈہ، مبارک پور، مئوناتھ بھنجن اور کوپاگنج جیسے قصبے اپنی بنائی کی روایت پر مضبوطی سے قائم رہے۔

انیسویں صدی کا سورج جب طلوع ہوا، تو وہ مغربی دنیا کی صنعتی چمک کے ساتھ آیا۔ مشینی انقلاب نے دھیرے دھیرے اس خطے کی روایتی معیشت کی بنیادیں ہلا دیں۔ انگلستان سے درآمد شدہ مشینی دھاگا اور کپڑا، جس نے مقامی منڈیوں میں اپنی جگہ بنائی، اس نے محض مقامی کاتنے والوں کا روزگار نہیں چھینا بلکہ مقامی صنعت کے پورے تنظیمی ڈھانچے کو متزلزل کر دیا۔ بنارس، جو اس صنعت کا مرکز رہا، اپنی عظمت برقرار رکھنے کی تگ و دو میں رہا، مگر مئو اور مبارک پور جیسے معاون خطے مسلسل پس منظر میں جاتے رہے۔

مبارکپور کی کہانی انوکھے تضادات کا مجموعہ ہے۔ اگرچہ اسے مئوناتھ بھنجن جیسی شہرت کبھی نہ مل سکی، اور ضلع کی قدیم دستاویزات میں بھی اس کا نمایاں ذکر نہیں ملتا، مگر یہ قصبہ اپنی جگہ ایک زندہ روایت کا امین رہا۔ انیسویں صدی میں یہ قصبہ ترقی کی آس میں مسلسل سماجی و معاشی زلزلوں سے دوچار رہا۔ ہندو ساہوکاروں اور مسلم بنکروں کے درمیان تناؤ کی کہانیاں بھی اسی دوران ابھر کر سامنے آئیں۔ فرقہ وارانہ خلیج کے پس منظر میں، یہ کشمکش محض ذات یا مذہب کی نہیں، بلکہ معاشی طاقت کی تھی، جو اپنے آپ میں نوآبادیاتی نظام کی گہری ستم ظریفی تھی۔

جب بیسویں صدی کی صبح نمودار ہوئی، تو مبارک پور نے خود کو بنارس کی ریشمی صنعت کے ایک معاون خطے کی حیثیت سے از سرِ نو دریافت کیا۔ آس پاس کے علاقوں، املو، نوادہ، سریاں، رسول پور اور مصطفیٰ آباد کے لوگ بھی اس صنعت سے جڑتے گئے۔ مگر ریشمی کپڑا، جس کی تیاری میں مبارک پور کے بنکروں کو مہارت حاصل تھی، ایک ایسا فن تھا جو ہر کسی کے لیے قابلِ حصول نہ تھا۔ بھاری سرمایہ، خاص تربیت، اور دیرینہ تجربہ، یہ تمام شرطیں اس فن کو عام بنکروں کے لیے ناقابلِ عمل بناتی رہیں۔

زوال، جدوجہد اور بازآفرینی:

تاریخ کے اوراق پر جب مشرقی اتر پردیش کے قصبوں کی داستان رقم کی جاتی ہے، تو مبارک پور ایک ایسا نام بن کر ابھرتا ہے جس کی کہانی نہ صرف بنکروں کی مہارت بلکہ وقت کے بے رحم تھپیڑوں، معاشی آفات، اور سماجی تبدیلیوں کی مکمل عکاسی کرتی ہے۔ 1801 میں جب یہ علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیرِ اقتدار آیا، تو اس وقت مبارک پور زندگی کی روانی، بازاروں کی چہل پہل، اور کھڈیوں کی جھنکار کے ساتھ۔ ایک ابھرتا ہوا مرکز تھا۔ آبادی کی ساخت میں ایک نمایاں توازن پایا جاتا تھا؛ کل آبادی کا چوتھائی حصہ مسلم بنکروں پر مشتمل تھا جب کہ کچھ ہندو تاجر خوش حال معیشت کے علم بردار تھے، مگر یہ رونقیں زیادہ دیر قائم نہ رہ سکیں۔ صرف چند دہائیوں میں، 1865 سے 1877 کے درمیان، ہندو تاجروں کی مالی چمک ماند پڑ گئی، اگرچہ بنائی کی صنعت نے اب بھی خود کو سنبھالے رکھا۔ مبارک پور کی کھڈیوں کی تعداد 1,700 تک پہنچ چکی تھی، گویا ہنر ابھی سانس لے رہا تھا، مگر اس کی سانسیں بوجھل ہو چکی تھیں۔

مبارک پور میں اتوار اور جمعرات کو لگنے والے خوردہ بازار محض تجارت کے مقام نہ تھے، بلکہ یہ اس ثقافتی زندگی کا تسلسل تھے جو کبھی دریا کی طرح رواں دواں تھی۔ قریبی دیہات، جیسے املو میں بھی بازار کی روایت اسی طرح قائم تھی۔ ان بازاروں میں دھاگوں کے سودے، روزمرہ کی اشیا، اور فنونِ لطیفہ کی چھوٹی جھلکیاں ہوا کرتی تھیں۔ قریب ہی، کوپا گنج کی بنیاد 1745ء میں ارادت خان نے رکھی تھی اور مئو کے بنکروں کو یہاں لا بسایا تھا، اور اگروال برادری کے تاجروں کو یہاں کا رخ کرنے کی دعوت دی تھی۔ یہ بستیاں محض اقتصادی اکائیاں نہ تھیں، بلکہ بنکروں اور تاجروں کی وہ مشترکہ کوششیں تھیں جنھوں نے مشرقی اتر پردیش کے کینوس پر ٹیکسٹائل کا روشن رنگ بھرا۔

سانگی اور گلٹا، ریشم اور سوت کے امتزاج سے بنے ان پارچہ جات میں مہارت مبارکپور اور خیر آباد تک محدود تھی۔ یہ فن نہ صرف مخصوص تھا بلکہ ایک پوشیدہ خزانہ تھا، جس کی کوئی معتبر تاریخی ابتدا معلوم نہیں۔ یہ ہنر نسلوں میں منتقل ہوتا رہا، مگر اس کی راہیں وقت کی دھول میں گم رہیں۔

مبارک پور کی شناخت میں فنِ گلٹا کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ کپڑا، جس کی تخلیق ریشم اور سوتی دھاگے کے امتزاج سے کی جاتی ہے، اپنی باریک کاریگری اور جمالیاتی صفات کے باعث خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ گلٹا کا لفظ فارسی "غلطیدن" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی لوٹ پوٹ ہونے کے ہیں، جو شاید اس کی چمک دار اور ہموار سطح کی طرف اشارہ ہے۔

اس فن کی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اگرچہ گلٹا میں سوتی دھاگا نمایاں طور پر استعمال ہوتا تھا، تاہم تیار شدہ کپڑے کی اوپری سطح اس قدر ہموار اور چمک دار ہوتی کہ سوتی عناصر بالکل غائب دکھائی دیتے۔ صرف پچھلی جانب سوتی دھاگے کا وجود ظاہر ہوتا، اور ریشمی دھاگے کی موجودگی کم محسوس ہوتی۔ گلٹا کی بناوٹ میں عموماً خانہ دار (چیک) ڈیزائن شامل ہوتا تھا، جنھیں ایک، دو یا تین پتلی لکیروں سے محدود کیا جاتا۔ ان لکیروں کے درمیان کا حصہ بعض اوقات مختلف رنگ کے ریشم سے بھرا جاتا، جس سے نہ صرف بصری تنوع پیدا ہوتا ہے بلکہ یہ فنی نزاکت کا بھی اظہار بن جاتا ہے۔ چیک اور دھاری دار طرز کا یہ امتزاج محض ایک جمالیاتی اسلوب نہیں، بلکہ اس کے پیچھے نسلوں کی ہنر مندی، محنت، اور تہذیبی ورثے کا عکس جھلکتا تھا۔

انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں قدرت نے اپنے قہر سے اس خطے کو آزمایا۔ قحط، سیلاب اور طاعون کی مسلسل وباؤں نے 1882، 1894، 1895، 1897، 1904، 1905 اور 1907 میں مبارکپور کے بنکروں کی کمر توڑ دی۔ دھاگے کی قیمتوں میں اضافہ، زراعت کی ناکامی، اور بازاروں کی سکڑتی ہوئی مانگ، سب کچھ گویا ہنر کو آہستہ آہستہ خاموش کرنے

پر تُلا ہوا تھا۔ مگر اس گہرے اندھیرے میں ایک روشن کرن بھی پھوٹی۔ 1896 سے 1904 کے درمیان ریلوے لائنوں کی تعمیر نے ٹیکسٹائل کی تجارت میں نئی روح پھونکی۔ بمبئی، کلکتہ اور کانپور جیسے بڑے مراکز سے رابطے کے سبب کچھ روشنی کی امید پیدا ہوئی، اور کچھ بنکروں کو مجبوری میں ہجرت سے بچا لیا گیا۔

تاہم، تجارتی مندی نے ان کو مجبور کیا کہ وہ سوتی رومال اور دکنی پگڑیوں جیسے کم قیمت مگر طلب میں زیادہ مصنوعات کی طرف رخ کریں۔ ریشمی ساڑیاں اگرچہ اب بھی بنائی جا رہی تھیں، مگر ان کی محدود کھپت نے صنعت کی عظمت کو سہارا دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس دوران مغربی بنگال سے آنے والے تھوک تاجروں کی آمد دُرگا پوجا کے موقع پر ایک عارضی جنبش ضرور پیدا کرتی، لیکن یہ تجارت بھی دلالوں اور بیوپاریوں کے شکنجے میں پھنسی ہوئی تھی، دستکار کو اس کا پورا حق کبھی نہ ملا۔

اور جب طاعون کی وبا نے بنکروں کے گھروں پر دستک دی، تو محض جسم ہی بیمار نہ ہوئے، مزاج بھی زہر آلود ہو گیا۔ ایک وقت آیا جب کہا جانے لگا کہ "طاعون کے نقصانات نے ان کے نقطۂ نظر کو تلخ بنا دیا ہے" یہ تلخی ہنر کی خاموشی، خوابوں کی شکست، اور ایک زندہ تہذیب کی سسکتی سانسوں کی گواہی تھی۔

جدوجہد اور زری ساڑیوں کی سنہری داستان:

وقت کا پہیہ اگر ایک لمحے کو تھم جائے اور ہم ماضی کی گلیوں میں قدم رکھیں، تو مبارک پور کا نقشہ ایک ایسی برادری کے طور پر ابھرتا ہے جس کے ہاتھوں میں دھاگے تھے، مگر آنکھوں میں خواب، جن کی بنیاد صرف روزی روٹی نہیں، بلکہ عزت، پہچان، اور ثقافت تھی۔ بنکر برادری کے لیے بنائی محض پیشہ نہیں تھی، بلکہ ایک تہذیب تھی—ایسا اثاثہ جسے وہ سینے سے لگا کر نسلوں تک سنبھالتے رہے۔

مبارک پور کے بُنکروں نے ہمیشہ اپنی پیداواری سرگرمیوں کو برادری کی چھتری تلے محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ ان کے لیے کھڈیوں پر بننے والا ہر دھاگا، ہر کڑھائی، ان کے وقار اور شناخت کا مظہر تھا۔ یہ وہی برادری تھی جس نے اپنی اجتماعی سوچ کو پیداوار تک تو محدود رکھا، لیکن جب بات ہجرت اور سیاسی سرگرمیوں کی آئی، تو کوئی متفقہ لائحہ عمل نہ بن سکا۔ یہی وہ دراڑ تھی جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ مفاد پرستوں نے برادری کی حدود کو اپنے مالی مفادات کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیا، اور اس اجتماعی ادارے کی اتھارٹی آہستہ آہستہ کمزور پڑنے لگی۔

محلہ پورہ صوفی کے ایک خوشحال بُنکر عبد المجید، نے 1902 سے 1934 کے درمیان مبارک پور کی روزمرہ کی زندگی، بازار کے نرخ، برادری کے مسائل اور مقامی سیاست پر مبنی ایک ڈائری مرتب کی۔ اگرچہ انھوں نے اپنی کھڈی یا فنِ بنائی کا براہِ راست ذکر نہیں کیا، لیکن ان کے اندراجات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ محض ایک کاریگر نہیں، بلکہ ایک ایسے شخص تھے جو برادری کی نبض پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ ان کے قلم سے نکلا ہر جملہ، ہر تبصرہ، مبارک پور کی سماجی ساخت کا آئینہ دار ہے۔ ان کا کہنا تھا:

"اب کے سال روزگار ہواں، جس سے مبارکپور آباد ہواں، آج تک ایسا روزگار کبھی نہ ہواں اور نہ ہوگا۔"

یہ الفاظ 1919 کی اس خوش حالی کے لیے تھے، جب سنگھی اور گلٹا کپڑے 10 سے 41 روپے فی گز تک فروخت ہوئے، اور مبارکپور کے بُنکروں نے ایسا معاشی عروج دیکھا جو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ہر محلے میں بھینسیں خریدی گئیں، حتیٰ کہ دودھ نہ دینے والی بھینسیں بھی۔ فضول خرچی عام ہوئی، اور 142 افراد نے حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ مگر یہ مسرت زیادہ دیرپا نہ رہی۔

بیسویں صدی کے آغاز میں، جب بنائی کی صنعت دیگر علاقوں میں دم توڑ رہی تھی، مبارکپور میں ابھی امید باقی تھی۔ 1920 کی دہائی میں عام ریشم کی جگہ زری کی ساڑھیوں نے لینا شروع کی، اور 1930 میں بروکیڈ (زری) ساڑھیوں کی ہتھ کرگھا

صنعت کی بنیاد محلہ پرانی بستی میں رکھی گئی۔ عبید حسین انصاری، اس تبدیلی کے علم بردار تھے۔ انھوں نے اپنی بانی سے اس صنعت کا آغاز کیا اور مقامی افراد کو تربیت دے کر ایک نئی راہ متعیّن کی۔

یہ وہ وقت تھا جب مبارک پور کی گلیوں میں دھاگے کی بو، رنگوں کی جھلک اور کھڈیوں کی آوازیں ایک بار پھر گونجنے لگیں۔ مبارکپور، املو، اور سریاں کے کاریگروں نے 15 دن کے اندر بروکیڈ ساڑی بنانی سیکھ لی۔ آج بھی مبارک پور کی ہر گلی، ہر آنگن میں کوئی نہ کوئی زری ساڑی ضرور ملتی ہے، جو اس سنہری روایت کی خاموش مگر زندہ گواہ ہے۔

1950 تک مبارکپور میں 5,275 ہتھ کرگھے موجود تھے، جن میں سے 20 فیصد کپاس کے کپڑے کے لیے مخصوص تھے۔ اس وقت معاشرتی سطح پر ایک واضح تقسیم نظر آتی تھی:

- امیر بنکر ریشم کی بنائی کرتے۔
- غریب کپاس پر قناعت کرتے،
- اور کچھ متوسط گھرانے دونوں میں مشغول ہوتے۔

ریشمی ساڑیاں گھر کے اندر، ذاتی ہتھ کرگھوں پر بنائی جاتیں۔ مگر یہ سب کچھ ایک مکمل خود مختاری کی علامت نہیں تھا، کیوں کہ کئی چھوٹے کارخانوں میں بنکر ایسے مالکان کے رحم و کرم پر کام کرتے تھے جو دھاگا فراہم کرتے، مزدوری طے کرتے، اور زیادہ تر منافع خود سمیٹ لیتے۔ ہنر مند کاریگر اپنے ہی فن میں استحصال کا شکار ہو رہے تھے۔ وہ ایسے کاریگر تھے جنھوں نے ہنر کو ورثہ بنایا، جن کے فن نے زبان کا کام کیا، اور جن کی کھڈیوں نے دھڑکنوں کو ترتیب دیا۔ مگر یہ کہانی صرف سنہری ساڑیوں، چند خوش حال برسوں یا عبدالمجید کی ڈائری تک محدود نہیں؛ اس میں تو ان سروں کی بھی داستان ہے جو جھک کر کپڑا بنتے رہے، ان آنکھوں کی بھی کہانی ہے جو دھاگے میں مستقبل ڈھونڈا کرتی تھیں، اور ان دلوں کی بھی فریاد ہے جو کبھی اپنا حق نہ پا سکے۔

ساہوکار، دلال، اور دھاگے کی سیاست:

مبارک پور کی ریشمی صنعت کی بنیاد جن ہاتھوں نے رکھی، وہی ہاتھ وقت کے ساتھ بازار کی سرد و گرم ہوا کے تھپیڑوں میں بے بس ہو گئے۔ سب سے چھوٹی پیداواری اکائی، یعنی ایک تنہا جولاہا، محض ہنر کے بل پر اس وسیع اور پیچیدہ نظام میں اپنی شناخت قائم رکھنے کی کوشش کرتا رہا، لیکن سرمایہ، خام مال اور بازار تک رسائی کی کمی نے اسے دلالوں کے شکنجے میں جکڑ دیا۔

بنکر کو وہ دھاگا، جو اس کے فن کی روح تھا، خود خریدنے کی طاقت نہ تھی۔ تاجر، جو دلال کا روپ دھارے ہوئے ہوتا، نہ صرف اسے دھاگا مہیا کرتا بلکہ اس کے تیار کردہ کپڑے کو بھی اپنے مقررہ نرخ پر خرید لیتا۔ یوں بنکر مکمل طور پر اس دلال کے رحم و کرم پر ہوتا، جو اس کے فن کو صرف آرڈر کی شکل میں تولتا۔ یہ دلال نہ صرف تجارت کے ایک بڑے حصے پر قابض تھے بلکہ ان کا ادارہ اس قدر مضبوط تھا کہ وہی پیداوار، خریداری اور فروخت، سب کچھ طے کرتے۔

ورک شاپ کے مالکان، اگرچہ بظاہر آزاد نظر آتے، مگر در حقیقت وہ بھی ان دلالوں کے سامنے بے بس تھے۔ ماہر بنکر ان کے پاس کام کرتے، جنھیں فی کپڑا یا فی ساڑی کے حساب سے اجرت دی جاتی، مگر یہ محنت تب تک بے معنی ہو جاتی جب تک دلال تیار مال اٹھا کر لے نہ جاتا۔ انھیں اکثر نقد رقم کے بجائے تین یا چار ماہ مؤخر ادائیگی کے چیک دیے جاتے، جس سے سرمایہ منجمد اور نظام بے کیف ہو جاتا۔ 1960 کی دہائی کے آغاز میں ایسے 21 دلالوں نے مبارکپور میں اپنا جال بچھایا ہوا تھا، جو ماہانہ لگ بھگ دس ہزار ریشمی ساڑیاں بازار تک پہنچاتے اور خود خاطر خواہ منافع سمیٹ کر چلے جاتے ہیں۔

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں جب ہیوی ہینڈلوم بروکیڈ ساڑھیوں کی مانگ نے صنعت کو نئی بلندیوں تک پہنچایا، وہ لمحے مبارک پور کے لیے سنہری تھے۔ تاہم، یہ چمک زیادہ دیر

برقرار نہ رہ سکی۔ دوسری جنگ عظیم اور آزادی کے بعد کی سیاسی تبدیلیوں نے اس صنعت کی بنیادیں ہلا دیں۔ جاپان سے درآمد شدہ خام ریشم پر انحصار اس قدر بڑھ گیا کہ قیمتیں عام صارف کی دسترس سے باہر ہوگئیں، اور مقامی بازار سمٹنے لگے۔

اس سے بڑا دھچکا اُس وقت لگا جب برصغیر کی تقسیم نے مبارکپور کے روایتی خریداروں (یعنی پاکستان اور مشرقی پاکستان (بعد ازاں بنگلہ دیش) کا بازار چھین لیا۔ فرقہ وارانہ فسادات نے کئی ماہر بنکروں کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ نہ صرف ہنر بکھر گیا بلکہ بازار بھی سمٹ گیا۔ اس کے بعد جب پاکستان نے ریشمی مصنوعات پر بھاری ٹیکس عائد کیے، تو مبارک پور کی زری ساڑیاں خریداروں کی فہرست سے غائب ہونے لگیں۔

خام مال، رنگ، اور روایت کا بدلتا چہرہ:

بروکیڈ ساڑی کی تیاری میں دو بنیادی عناصر شامل ہوتے تھے: خالص ریشم اور زری کا دھاگا۔ ریشمی دھاگا شہتوت اور ٹسر کی اقسام میں دستیاب تھا، جو اگرچہ اتر پردیش کے چند اضلاع میں تھوڑی بہت پیداوار دیتے تھے، مگر مبارک پور کے کاریگر مغربی بنگال کے مالدہ سے درآمد شدہ ریشم کو فوقیت دیتے تھے۔ اسے گھر کے اندر ہی سستے، کیمیائی اینلائن رنگوں سے رنگا جاتا—یہ تبدیلی روایت سے ہٹ کر سہولت اور ارزانی کی طرف ایک علامتی قدم تھا۔

زری کے دھاگے کی کہانی بھی کم پیچیدہ نہ تھی۔ 1963 تک سونے کا بازار کھلا تھا، اور وارانسی و سورت جیسے شہروں کے تاجر خالص سونے یا چاندی کے تار فراہم کرتے تھے۔ لیکن جیسے ہی "دفاعِ ہند (ترمیمی) رول" کے تحت سونے پر کنٹرول نافذ ہوا، زری ساڑی کی لاگت آسمان چھونے لگی پھر سنہری اور نقرئی "لوریکس" نے سونے کا نعم البدل بن کر مارکیٹ میں قدم رکھا، مگر اصل چمک باقی نہ رہی۔

سماجی تناؤ اور شناخت کی تلاش:

ایسے میں معاشی دباؤ اور پیداواری زوال کے ساتھ ساتھ سماجی سطح پر بھی گہرا انتشار جنم لینے لگا۔ ہندو ساہوکاروں کے مسلم بنکرواں کے ساتھ تعلقات میں دراڑ پڑنے لگی۔ معاشی کمزوریوں نے مذہبی کشیدگی کو ہوا دی، اور بنکر اپنی شناخت کو مذہب کے دائرے میں ڈھالنے لگے۔ اسلامائزیشن کا یہ عمل صرف عقیدے کی تبدیلی نہ تھا، بلکہ ایک پُر پیچ ردِعمل تھا اُن سماجی اور اقتصادی حقائق کا، جو ہر قدم پر بنکروں کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔ ان بنکروں کے اندر بھی نسلی، اور پیشہ ورانہ تقسیم موجود تھی—وہ صرف ایک طبقے کے مسلمانوں نہیں تھے، بلکہ وہ تو ایک تہذیب کے زخم خوردہ وجود کا عکس تھے، جو اپنے فن، اپنی معیشت، اور اپنی سماجی شناخت کو نئی کروٹوں پر دیکھ رہا تھا۔

مذہبی تنوع اور مسلکی رقابتیں:

جیسا کہ ہم نے کہا؛ مبارک پور کی سرزمین صرف ریشمی دھاگوں اور بروکیڈ ساڑھیوں ہی کی آماجگاہ نہ تھی، بلکہ یہاں مذہبی فکر و فہم کے مختلف رنگ بھی پوری شدت سے رائج تھے۔ وقت کے ساتھ اس قصبے میں جہاں صنعتی حرکیات نے اپنی ایک دنیا آباد کی، وہیں مذہبی رجحانات نے بھی سیاست، معاشرت اور شخصی روابط پر گہرے نقوش ثبت کیے۔ مبارک پور میں مکاتب ہائے فکر کی موجودگی نہ صرف مذہبی فکر کی گہرائی کی مظہر ہے، بلکہ ان کے باہمی تعلقات نے مقامی سیاست، تعلیم اور ثقافتی اداروں کی تشکیل پر بھی دیرپا اثرات مرتب کیے۔

مبارک پور میں سب سے پہلا اور قدیم اسلامی مذہب سنی حنفی تھا، جو عموماً برصغیر کے طول و عرض میں پھیلا ہوا تھا۔ اٹھارہویں صدی میں جب اودھ کی نوابین نے مذہبی فضا کو نئی جہتیں عطا کیں، تب شیعہ مذہب نے بھی اس خطے میں قدم جمائے۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں رمضان علی شاہ نے یہاں اپنا امام باڑہ تعمیر کروایا، جو نہ صرف ان کے مذہبی شعائر کا مرکز تھا بلکہ شیعہ وجود کی سماجی پہچان بھی۔ اس وقت کئی شیعہ مبلغین نے مبارک پور کا رخ کیا، اور نوابی سرپرستی میں اس کو

فکری پشت پناہی حاصل ہوئی۔

بوہرہ اسماعیلی شیعہ بھی مبارکپور میں انیسویں صدی کے ابتدائی برسوں سے قبل موجود تھے، اور ان کے وجود کا استناد ملا نثار علی مبارک پوری سے ہوتا ہے، جنھوں نے اس مذہب کی بنیاد یہاں رکھی۔ بعد ازاں، غیر مقلدین نے بھی قدم جمانے شروع کیے، یہاں اس کے بانی مبانی شاہ ابواسحاق لوہراوی تھے، جن کا انتقال 1234 ہجری میں ہوا۔ سب سے آخر میں دیوبندی مکتبِ فکر نے 1317 ہجری میں یہاں اپنی شناخت قائم کی۔ مولانا محمود معروفی اور مولانا حکیم الٰہی بخش نے اس کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔

ان مختلف مکاتبِ فکر نے نہ صرف اپنے عقائد کی تبلیغ کی بلکہ اپنے اپنے مدارس بھی قائم کیے، جو ان کی فکری تربیت گاہیں بن گئیں۔ سنیوں کا مدرسہ "اشرفیہ" (دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم)، دیوبندیوں کا "جامعہ عربیہ احیاء العلوم"، اہل حدیث کا "دار التعلیم"، اور شیعوں کا "باب العلم" یہ تمام مدارس اپنے اپنے مذاہب کی علمی روایت کے امین کل بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ بوہروں کا مدرسہ ملا نثار علی سرائمیری نے قائم کیا تھا، جسے بمبئی کے بوہروں کی جانب سے مالی امداد حاصل ہوتی تھی۔ اگرچہ بیسویں صدی کے اوائل میں یہ مدرسہ طویل عرصے تک غیر فعال رہا، لیکن دینی تعلیم امام باڑہ اور گھریلو سطح پر جاری رہی۔ تمام مذاہب کے لوگ ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہے، اور سب کے اندر ایک دوسرے کے خلاف کشیدگی پروان چڑھتی رہی۔

مقامی قیادت اور باہمی تعلقات:

1909-10 میں مبارک پور پولیس نے اپنے مشاہدے میں درج کیا کہ مبارک پور میں فرقہ وارانہ کشیدگی صرف ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نہیں، بلکہ خود مسلمانوں کے اندر بھی گہری خلیجیں موجود ہیں۔ سنی، اہل حدیث، شیعہ اور دیوبندی سب اپنے اپنے تشخص میں ممتاز اور الگ شناخت رکھتے تھے، ان کے عبادت کے مراکز جدا تھے، اور وہ ایک دوسرے کی مساجد میں نماز ادا نہیں کرتے تھے۔ البتہ محرم کے دوران تمام فرقے، اہل حدیث کے سوا، عزاداری میں شریک ہوتے۔ تعزیے کے جلوس کے دوران بدامنی کا آغاز اکثر محلہ شاہ محمد پور سے ہوتا، جو کہ ایک شیعہ اکثریتی علاقہ تھا۔

اس دور کی مقامی قیادت بھی مسالک کے نمائندہ چہرے تھے۔ سنی قیادت میں شیخ عبد الوہاب، شیخ طیب گرہستھ، حکیم الٰہی بخش اور حاجی عبد الحق شامل تھے۔ اہل حدیث کی نمائندگی مولوی سلامت اللہ، عبد المجید اور حکیم محمد شفیع کے پاس تھی، جب کہ شیعوں کی قیادت حکیم یار علی کے ہاتھ میں تھی۔ سرکاری امور میں یہ رہنما نہایت اہم کردار ادا کرتے تھے، اور بعض مواقع پر مقامی انتظامیہ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ بدامنی کے تدارک کے لیے حکیم یار علی سے تعاون حاصل کیا جائے، کیوں کہ وہ معاملات کو سلجھانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

بمبئی کا "غلہ کیس"

اناج کے دانوں میں چھپی ہوس کی داستان:

1940 کی دہائی کا ہندوستان ایک بے قراری کی کیفیت میں سانس لے رہا تھا۔ باہر کی دنیا میں جنگ کے بادل گرج رہے تھے، تو اندرون ملک فاقہ کشی کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ بمبئی، جو برطانوی ہندوستان کا دل تھا، اپنے بظاہر جگمگاتے بازاروں، اونچی عمارتوں اور بندرگاہ کے شور میں ایک ایسی سچائی کو چھپائے بیٹھا تھا جو بھوک کی چیخوں سے گونجتی تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب چاول کی خوشبو محض یاد بن چکی تھی، اور گندم کے دانے سونے کی مانند قیمتی ہو گئے تھے۔ اناج کی قلت، جو قدرتی سے زیادہ مصنوعی تھی، ہر گھر کی دہلیز پر ایک سوال بن کر دستک دے رہی تھی: "کیا کل چولہا جلے گا؟" اور تب سامنے آیا بمبئی کا "غلہ کیس"۔ **(جاری)**

حفظان صحت

دورانِ حمل سکریننگ

ایچ آئی وی، ہیپاٹائٹس بی، اور آتشک کے بارے میں مکمل رہنمائی

ڈاکٹر ام فرح (ایم ڈی)

دورانِ حمل خواتین کی صحت اور آنے والے بچے کی حفاظت ایک ایسی ذمہ داری ہے جس میں کوئی سمجھوتا نہیں کیا جاسکتا۔ اس مقصد کے لیے سکریننگ ٹیسٹ ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ ٹیسٹ ایچ آئی وی (ہیومن ای میونوڈیفیشنسی وائرس)، ہیپاٹائٹس بی، اور آتشک جیسے خطرناک انفیکشنز کی تشخیص کے لیے کیے جاتے ہیں۔ ان بیماریوں کا بروقت پتا لگانا ماں کی صحت کو بہتر بنانے اور بچے کو انفیکشن سے بچانے کے لیے ضروری ہے۔ یہ مضمون سکریننگ کے مقصد، ان بیماریوں کی تفصیلات، ٹیسٹ کے طریقہ کار، نتائج، اور علاج کے اختیارات کو آسان اور واضح انداز میں بیان کرتا ہے تاکہ ہر خاتون اس کی اہمیت کو سمجھ سکے۔

سکریننگ کا مقصد: سکریننگ ٹیسٹ کا بنیادی مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا حاملہ خاتون کو ایچ آئی وی، ہیپاٹائٹس بی، یا آتشک جیسا کوئی انفیکشن ہے۔ اگر ان بیماریوں کی تشخیص ہو جاتی ہے تو فوری طور پر ماہر ڈاکٹر سے رابطہ کیا جاتا ہے۔ یہ ماہرین ماں اور بچے کی صحت کے لیے مناسب علاج اور نگہ داشت کا بندوبست کرتے ہیں۔ ان ٹیسٹوں کا مقصد نہ صرف ماں کی صحت کو محفوظ رکھنا ہے بلکہ بچے کو ان خطرناک بیماریوں سے بچانا بھی ہے جو ماں سے بچے میں منتقل ہو سکتی ہیں۔

ایچ آئی وی، ہیپاٹائٹس بی، اور آتشک ایسی بیماریاں ہیں جو خون، جسمانی رطوبتوں، جنسی تعلقات، یا آلودہ سوئیوں کے ذریعے پھیلتی ہیں۔ یہ بیماریاں ماں سے بچے میں حمل کے دوران، زچگی کے وقت، یا دودھ پلانے کے دوران منتقل ہو سکتی ہیں۔ آئیے ان بیماریوں کو تفصیل سے سمجھتے ہیں:

ہیپاٹائٹس بی ایک وائرس ہے جو جگر کو متاثر کرتا ہے۔ یہ بیماری دو قسم کی ہو سکتی ہے: **شدید (عارضی):** یہ چند ہفتوں یا مہینوں تک رہتی ہے اور خود بخود ٹھیک ہو سکتی ہے اور **طویل المعیاد:** یہ مستقل ہوتی ہے اور جگر کی شدید بیماریوں، جیسے کہ جگر کا انفیکشن یا کینسر، کا باعث بن سکتی ہے۔

اگر کوئی بچہ پیدائش کے وقت یا زندگی کے پہلے سال میں اس وائرس کا شکار ہو جائے تو 90 فیصد امکان ہوتا ہے کہ اسے تاحیات ہیپاٹائٹس بی کا انفیکشن رہے گا۔ اس لیے اس کی روک تھام بہت ضروری ہے۔

ایچ آئی وی جسم کے مدافعتی نظام کو کمزور کرتا ہے، جس سے جسم دیگر بیماریوں سے لڑنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے۔ اگر اس کا علاج نہ کیا جائے تو یہ ماں سے بچے میں منتقل ہو سکتا ہے۔ تاہم، اگر دورانِ حمل مناسب علاج کیا جائے، جیسے کہ اینٹی ریٹروواِئرل ادویات کا استعمال، تو بچے کو ایچ آئی وی ہونے کا خطرہ 25 فیصد سے کم ہو کر صرف 0.5 فیصد رہ جاتا ہے۔ یہ علاج ماں اور بچے دونوں کی زندگی بچانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

آتشک ایک جنسی طور پر منتقل ہونے والی بیماری ہے جو سیفیلس وائرس کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر اس کا علاج نہ کیا جائے تو یہ ماں سے بچے میں منتقل ہو سکتی ہے، جس سے بچے کی صحت کو شدید نقصان (قبل از وقت پیدائش، کم پیدائشی وزن، ہڈیوں اور دانتوں کی پریشانیاں، سماعت کی پریشانیاں، نظر کی پریشانیاں، نشوونما میں

تاخیر)، اسقاطِ حمل، یا مردہ پیدائش جیسے سنگین نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ بروقت علاج سے ان خطرات کو کافی حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔

سکریننگ ٹیسٹ کا طریقہ: سکریننگ ٹیسٹ ایک سادہ اور محفوظ عمل ہے۔ اس کے لیے: ہیلتھ پروفیشنل آپ کے بازو سے خون کا ایک چھوٹا نمونہ لیتا ہے۔ یہ خون لیبارٹری میں بھیجا جاتا ہے جہاں ایچ آئی وی، ہیپاٹائٹس بی، اور آتشک کی موجودگی کی جانچ کی جاتی ہے۔ اس ٹیسٹ سے ماں یا بچے کو کوئی خطرہ نہیں ہے، اور یہ ایک معمول کا طبی عمل ہے جو ہر حاملہ خاتون کے لیے تجویز کیا جاتا ہے۔

سکریننگ ٹیسٹ کروانا مکمل طور پر آپ کا ذاتی فیصلہ ہے۔ تاہم، ڈاکٹرز اس کی پرزور سفارش کرتے ہیں کیونکہ: یہ ٹیسٹ آپ کی صحت کو بروقت علاج کے ذریعے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ آپ کے بچے، جنسی ساتھی، اور خاندان کے دیگر افراد کو انفیکشن سے بچاتے ہیں۔ یہ ماں سے بچے میں انفیکشن منتقل ہونے کے امکانات کو بہت کم کرتے ہیں۔ اگر آپ ٹیسٹ نہ کروانے کا فیصلہ کرتی ہیں تو آپ کو حمل کے تقریباً 20 ہفتوں کے قریب دوبارہ سکریننگ کی پیشکش کی جائے گی تاکہ آپ کے پاس دوبارہ موقع ہو۔

ٹیسٹ کے نتائج کی تفہیم: سکریننگ ٹیسٹ کے نتائج دو طرح کے ہوسکتے ہیں: منفی یا مثبت۔ آئیے ان کا مطلب سمجھتے ہیں:

اگر آپ کا ٹیسٹ منفی آتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ اس وقت ایچ آئی وی، ہیپاٹائٹس بی، یا آتشک سے پاک ہیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ آپ حمل کے دوران خود کو انفیکشن سے بچائیں کیوں کہ نیا انفیکشن ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ اگر آپ کو کوئی علامت نظر آئے، جیسے کہ بخار، تھکاوٹ، خارش، یا غیر معمولی درد، تو فوراً اپنی مڈوائف یا جنرل پریکٹیشنر (جی پی) سے رابطہ کریں۔

کچھ حالات میں دوبارہ ٹیسٹ کروانے کی ضرورت ہو سکتی ہے، جیسے کہ ◘: اگر آپ اپنا جنسی ساتھی تبدیل کرتی ہیں ◘ اگر آپ یا آپ کا ساتھی منشیات استعمال کرتے ہیں ◘ اگر آپ کے ساتھی کو کوئی انفیکشن ہے۔ ◘ اگر آپ کو کوئی جنسی طور پر منتقل ہونے والا انفیکشن (STI) تشخیص ہوتا ہے۔

اگر ٹیسٹ کا نتیجہ مثبت آتا ہے تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ماہر ڈاکٹرز آپ کی رہنمائی کریں گے اور مناسب علاج سے آپ اور آپ کے بچے کی صحت کو محفوظ بنائیں گے (آپ اپنے ساتھ اپنے جنسی ساتھی کا بھی ٹیسٹ کرالیں تاکہ انکا علاج بھی شروع ہوجائے)۔ ہر بیماری کے لیے علاج کا طریقہ مختلف ہے:

اگر آپ کو ہیپاٹائٹس بی ہے تو:

◘ ماہر ڈاکٹرز کی ٹیم حمل سے پہلے اور بعد میں آپ کی صحت کی نگرانی کرے گی۔ ◘ آپ کے جنسی ساتھی، دیگر بچوں، یا قریبی خاندان کے افراد کو بھی ٹیسٹ اور حفاظتی ٹیکوں کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ ◘ بچے کو ہیپاٹائٹس بی سے بچانے کے لیے 6 حفاظتی ٹیکوں کا شیڈول ضروری ہے:

◘ پیدائش کے 12-24 گھنٹوں کے اندر پہلا ٹیکہ۔ ◘ پہلے ٹیکے کے ساتھ بچے کو ہیپاٹائٹس بی ایمونوگلوبولین کا انجکشن بھی دیا جائے گا تاکہ فوری تحفظ مل سکے۔ ◘ 2، 4، اور 6 مہینے کی عمر پر تین ٹیکے (بچپن کے معمول کے ٹیکوں کے ساتھ)۔ ◘ ایک سال کی عمر پر آخری ٹیکہ۔ ◘ آخری ٹیکے کے وقت بچے کا خون ٹیسٹ کیا جائے گا تاکہ یہ یقینی بنایا جاسکے کہ وہ انفیکشن سے محفوظ ہے۔

اگر یہ ٹیکے بروقت نہ لگائے جائیں تو اپنے جی پی، نرس، یا ہیلتھ وزیٹر سے رابطہ کریں۔

اگر آپ کو ایچ آئی وی ہے تو:

◘ ماہر ڈاکٹرز آپ کو خصوصی ادویات دیں گے جو حمل کے دوران محفوظ ہیں اور ایچ آئی وی کو کنٹرول کرتی ہیں۔ ◘ زچگی کے لیے منصوبہ بند نگہداشت کی جائے گی، جیسے کہ سیزیرین ڈلیوری، تاکہ بچے کو انفیکشن سے بچایا جاسکے۔ ◘ آپ کو مشورہ دیا جائے گا کہ بچے کو اپنا دودھ نہ پلائیں، کیوں کہ اس سے ایچ آئی وی منتقل ہو سکتا ہے۔ ◘ ان اقدامات سے بچے کو ایچ آئی وی ہونے کا خطرہ 0.5 فیصد سے بھی کم ہوجاتا ہے۔

(باقی ص:45 پر)

چراغ خانہ

عصری تناظر میں قدیم ہندوستانی عورت کی حیثیت

عادل فراز

معاصر عہد میں عورت کے حقوق اور آزادی کے بارے میں اسلامی نظام کو مورد طعن و تشنیع قرار دیا جاتا ہے، جب کہ معترضین ابھی تک اسلامی قانون کی بنیادوں، اس کی روح، آفاقی پہلوؤں اور اس کی صحیح تشریحات سے لاعلم ہیں۔ اس کے باوجود حجاب، میراث، تعدد ازدواج اور دیگر مسائل میں خواتین کے حقوق کا بہانہ بناکر اسلامی قانون کو ناقص اور عورت مخالف قرار دیا جاتا ہے۔ جب کہ ہندوستان کے قدیم اور موجودہ سماج میں بھی عورت کو مرد کے برابر حقوق حاصل نہیں رہے ہیں۔ عالمی نظام کے تحت ہندوستان کا معاشرہ بھی مرد اساس معاشرہ تھا۔ اس امتیاز کے ساتھ کہ ویدی دور اور اس کے بعد کے عہد میں عورت کو فقط آلۂ تلذذ سمجھا گیا۔ قدیم مقدس کتابوں میں عورت کے تئیں احترام کا جذبہ تو نظر آتا ہے لیکن اس کے سماجی حقوق پر کوئی واضح اشارہ نہیں ملتا۔ بلکہ بعض مقامات پر تو اس کی تحقیر اور تذلیل کی گئی ہے۔ اگر کسی جگہ پر اس کی تکریم کا عندیہ ملتا بھی ہے تو اس میں قانون سازوں کے مفادات کا اشارہ شامل نظر آتا۔ جس طرح معاصر عہد میں ماڈرن ازم، مساوات، آزادی اور مختلف نظریات کے نام پر عورت کا فکری اور جسمانی استحصال جاری ہے اسی طرح قدیم عہد میں بھی اس کے واضح اشارے ملتے ہیں۔

دھرم شاستروں میں عورت کی تکریم کا متضاد فلسفہ ملتا ہے۔ کہیں اس کو دیوی اور قابل پرستش قرار دیا گیا ہے تو کہیں اس کو ناپاک اور مرد کے مقابلے میں حقیر تصور کیا گیا ہے۔ عورت کی تکریم کے سلسلے میں منو سمرتی میں اس طرح مذکور ہے: ”جہاں عورت کی تکریم کی جاتی ہے وہاں دیوتاؤں کی برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن جہاں ان کا احترام نہیں ہوتا وہاں تمام امور بے نتیجہ ہوکر رہ جاتے ہیں۔“ (منوسمرتی 3/56)

اس کے برعکس دوسرے مقام پر منو عورتوں کو مردوں کی گمراہی کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔“ (منوسمرتی 213/2)

دھرم شاستروں کے مطابق عورت کبھی آزاد اور خود مختار زندگی نہیں گذار سکتی، کیوں کہ وہ فطری طور پر کمزور واقع ہوئی ہے اس لیے اسے زندگی بھر کسی نا کسی کی نگرانی اور سرپرستی کی ضرورت ہے۔ بچپن میں باپ کی، جوانی میں شوہر کی اور بڑھاپے میں بیٹوں کی۔ (منوسمرتی 9/3)

اس طرح منو نے عورت کی آزادی، خود مختاری اور تانیثی تحریک کے علم برداروں کے فکری فلسفے کو ہی مسترد کر دیا۔ اس کے نزدیک عورت اپنے تحفظ میں دوسروں کی نیاز مند رہتی ہے۔ ان کے فطری مزاج کی بنیاد پر مرد کو اس کی نگرانی کرنی چاہیے۔

موجودہ عہد میں بعض متعصب مفکرین اسلامی دستور حیات کو ناقص اور فرسودہ قرار دیتے ہیں۔ خاص طور پر میراث میں عورت کے حصے، مرد کے مقابلے میں اس کی گواہی اور حجاب کے مسئلے پر وہ اسلامی قانون کو فرسودہ اور حقوق نسواں کا مخالف قرار دیتے ہیں۔ جب کہ ان کے یہاں دھرم شاستروں میں عورت کو بھی تقریباً اسی تناظر میں پیش کیا گیا ہے بلکہ اس سے بھی بدتر۔ دھرم شاستروں کے مطابق عورتیں چوں کہ متلون مزاج کی حامل ہوتی ہیں اس لیے انھیں گواہ کی حیثیت سے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ منو تو بیوہ عورتوں کے عقد ثانی اور نیوگ (صلۂ رحم کی شادی) کا سخت مخالف ہے۔ اس کے برخلاف نارد دونوں کو شادی کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ بھی دھرم شاستروں کا ایک متضاد فلسفہ ہے، لیکن یہ واضح نہیں ہے کہ سنگھ منو

اور نادر میں کس کے دھرم شاستر کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ رہی عورت کی میراث کی بات تو منو نے واضح طور پر نہیں بتایا کہ بیوہ اپنے شوہر کے مال سے کس قدر حصہ پانے کی مستحق ہے۔ (منوسمرتی باب نہم۔217)

منو کے برخلاف دیگر دھرم شاستروں میں عورت کی میراث کا ذکر ملتا ہے جیسے یاگیہ اور عمکیہ کے یہاں عورت کی میراث پر واضح دستور موجود ہے۔ شادی سے متعلق دھرم شاستروں میں تفصیلی مباحث ملتے ہیں۔ منو نے شادی کے احکامات اور اصول وضوابط کو بہت تفصیل اور تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں تعدد ازدواج کی رسم صدیوں پہلے سے موجود ہے۔ البتہ اس قانون میں طبقاتی تقسیم اور کم تر ذاتوں سے تعصب اور منافرت کا جذبہ موجود ہے۔ مثال کے طور پر منو کہتا ہے: "انتہائی مشکلات اور آلام کے دنوں میں بھی کوئی ایسا واقعہ کسی کہانی میں نہیں ملتا کہ کوئی شودر عورت کسی براہمن یا کھشتری کی پہلی بیوی رہی ہو۔"

(منوباب3۔14)

دوسرے مقام پر منو کہتا ہے: واضح ہو کہ ایک شودر کی بیوی ایک شودر ہی ہوسکتی ہے۔ جب کہ ایک ویش کی بیویوں میں سے ایک اس کی ہم مرتبہ اور دوسری ویش یا شودر ہوسکتی ہے۔ کشھتری کی بیویوں میں سے ایک اس کی ہم مرتبہ اور دوسری ویش یا شودر ہوسکتی ہے۔ جب کہ برہمن کی بیویوں سے ایک اس کی ہم ذات اور باقی کھشتری، ویش اور شودر ہوسکتی ہے۔" (منوباب3۔13)

ملاحظہ ہو: منوسمرتی باب نہم۔ 85 میں برہمن، کھشتریوں اور ویش کو متعدّد شادیوں کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن برتری کا حق ان کی ہم ذات اور ہم مرتبہ بیویوں کو دیا گیا ہے۔

عورت کی مظلومیت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسے مقدس رسومات میں شرکت کی اجازت نہیں تھی۔ ویدی دور اور اس کے بعد کے تمام ادوار میں یہ رسم عام تھی۔ ویدی دور میں عورت کو ناپاک سمجھا جاتا تھا اور قربانی جیسی مقدس رسومات میں اس کی شرکت ممنوع تھی۔ یہی نہیں بلکہ مقدس کتابوں کی تلاوت بھی اس کے لیے جائز نہیں تھی۔ منو کے قانون کے مطابق "جو شخص دیوتاؤں کے چڑھاوے میں اپنی شودر بیوی کی مدد لیتا ہے اس کی بھینٹ اور نذر قبول نہیں ہوتی اور وہ سورگ میں داخل نہیں ہوسکتا۔" (منوباب3۔18)

آریائی عہد میں شودروں سے شادی بلکہ ناجائز تعلقات کو بھی نفرت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ شودر اپنے نام سے کسی جائداد کے مالک بھی نہیں ہوسکتے تھے۔ بعض عورتیں ویدی دور میں علم وادب کی بلند ترین منزلوں پر فائز ہوچکی تھیں لیکن اس بنیاد پر ان کی مذہبی وسماجی حیثیت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ نہ تو اپنے باپ کی جائداد میں میراث کی حق دار تھیں اور نہ اپنی کسی ذاتی جائداد کی مالک۔ (قدیم ہندوستان کی تاریخ۔ رماشنکر ترپاٹھی۔ ص:76)

اسلامی قانون پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام نے کم عمر لڑکیوں کی شادی کی اجازت دی ہے۔ جب کہ اسلام میں لڑکی کے بالغ ہونے کی عمر لڑکے کے سن بلوغ سے مختلف ہے۔ اگر ہم سن بلوغ کو مدنظر نہ رکھیں تو لڑکیاں بلوغ کے بعد بھی کم عمر ہی معلوم ہوتی ہیں۔ دھرم شاستروں میں بھی کم عمر لڑکیوں کی شادی کا قانون موجود ہے۔ دیکھیے (منوباب نہم۔88۔89)

منوسمرتی میں اعلیٰ ذاتوں کے یہاں کم ذات خواتین کے ارحام سے جنمے بچوں کو دوغلا اور مکروہ سمجھا گیا ہے۔ اس سے زیادہ نفرت اور تقسیم کا نظام اور کیا ہوگا۔ اس کے باوجود بغیر صحیح تفہیم کے اسلامی قانون پر انگشت نمائی کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے گریبان میں نہ جھانک کر دوسروں کے گریبان میں جھانکتا پھرے۔

بہتر ہوگا کہ ایک دوسرے کے دستور حیات کا مطالعہ کیا جائے، بین المذاہب مکالمے کو فروغ دینے کے لیے مخلصانہ جدوجہد ہو اور بین الادیان نفرت کو کم کرنے کی کوشش کی جائے۔ ایک دوسرے کی مقدس کتابوں اور مذہبی قانون پر طعن وتشنیع کرنا کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اس کے لیے علما اور دانشور موجود ہیں جو اس راہ میں افہام وتفہیم کی راہیں روشن کرسکتے ہیں۔ اس لیے اختلافی اور نزاعی مسائل کے بجائے مشترکات پر گفتگو ہونی چاہیے۔ ■■■

فکر و نظر

قربانی کے سماجی پہلو

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: **مبارک حسین مصباحی**

*اگست 2025 کا عنوان— سیرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے درخشاں نقوش

*ستمبر 2025 کا عنوان— مدارس کی تعلیم اور جدید تقاضے: چند اصلاحی تجاویز

قربانی کا ایک معاشرتی، انسانی اور معاشی زاویہ سے جائزہ

از: مفتی مسرور عالم قادری مصباحی

"اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون، بلکہ اس تک تمھاری پرہیز گاری پہنچتی ہے۔" (سورۃ الحج:37)

قربانی-عبادت سے آگے کا پیغام:

قربانی محض ایک عبادت نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر سماجی عمل ہے جو اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ انسانی ہمدردی اور معاشرتی تعاون کا درس بھی دیتا ہے۔ عید الاضحیٰ پر ہر صاحبِ استطاعت مسلمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے قربانی کرتا ہے۔ لیکن اگر ہم گہرائی سے جائزہ لیں تو قربانی کے اس عظیم عمل میں کئی اہم سماجی پیغامات پوشیدہ ہیں۔

غربت اور بھوک کے خلاف جنگ:

ہمارے معاشرے میں ایک بڑی تعداد ایسے افراد کی ہے جو سال بھر گوشت کھانے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ قربانی کا موقع ان ضرورت مندوں کے لیے خوشی اور سیر کا ذریعہ بنتا ہے۔ قربانی کا گوشت بانٹنے کی اسلامی ترغیب، محروم طبقے تک نعمتوں کی رسائی کا عملی نمونہ ہے۔ اگر ہم منظم انداز میں قربانی کا اہتمام کریں تو یہ عمل وقتی طور پر ہی سہی، لیکن غربت اور بھوک کے خلاف ایک مؤثر جنگ بن سکتا ہے۔

سماجی مساوات اور بھائی چارہ:

عید الاضحیٰ کا دن مساوات اور اخوت کی سب سے حسین تصویر پیش کرتا ہے۔ نمازِ عید میں سب ایک صف میں کھڑے ہو کر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں اور قربانی کے بعد گوشت کی تقسیم میں امیر و غریب کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ یہ منظر بتاتا ہے کہ اسلامی معاشرہ رنگ، نسل، دولت اور حسب نسب کے فرق سے بالاتر ہو کر محبت، رواداری اور ہمدردی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔

معاشی سرگرمیوں کا فروغ:

قربانی کے ایام میں معاشی سرگرمیاں عروج پر پہنچ جاتی ہیں۔ جانوروں کی پرورش، خرید و فروخت، چارہ سازی، قصابوں کی خدمات، کھالوں کی تجارت اور دیگر شعبہ جات میں سرگرمی

ڈائریکٹر: جامعہ حافظ ملت آن لائن muftimasroormisbahi2003@gmaio.com

آجاتی ہے۔ یہ سب قربانی سے جڑے ایسے پہلو ہیں جو کئی طبقوں کے لیے روزگار کا ذریعہ بنتے ہیں اور ملک کی معیشت کو بھی حرکت میں لاتے ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق ہر سال عید الاضحیٰ کے موقع پر اربوں روپے کی معاشی سرگرمیاں انجام پاتی ہیں، جن کا بڑا فائدہ نچلے اور درمیانے طبقے کو ہوتا ہے۔

قربانی اور ماحولیاتی ذمے داری:

بدقسمتی سے بعض اوقات قربانی کے عمل میں صفائی اور ماحولیاتی پہلو نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔ اسلام ہمیں صفائی اور طہارت کا خاص حکم دیتا ہے۔ لہٰذا قربانی کے بعد جانوروں کے فضلات کی صفائی، گوشت کی درست پیکنگ اور شہر و قصبوں کی سڑکوں کو آلودگی سے بچانا ہماری دینی اور سماجی ذمے داری ہے۔

قربانی — ایک مکمل سماجی درس:

قربانی صرف خون بہانے کا نام نہیں بلکہ یہ ایثار، ہمدردی، مساوات اور بھائی چارے کا مظہر ہے۔ آج کی دنیا، جو خود غرضی اور مادی دوڑ میں الجھ چکی ہے، قربانی کا یہ پیغام ہمیں یاد دلاتا ہے کہ انسانیت کا اصل جوہر دوسروں کی بھلائی میں پوشیدہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم قربانی کے اس سماجی پہلو کو شعوری طور پر زندہ کریں اور اسے صرف ایک انفرادی عبادت نہیں بلکہ ایک اجتماعی تحریک کے طور پر اپنائیں۔ ■■■

قربانی کے معاشرتی و معاشی فوائد

از: حافظ افتخار احمد قادری

اس دنیاے فانی میں انسانی ہمدردی کا حامل، فلاحی و معاشرتی لحاظ سے صفوں میں سب سے آگے نمائندگی کرنے والا دین "دین اسلام" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کے دھاگے میں فرائض و عبادات کے ایسے ایسے موتی کو پرویا ہے جس پر عمل کرکے بندہ نہ صرف قرب خداوندی حاصل کر سکتا ہے بلکہ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور فلاحی کاموں کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی کو بھی بہترین بنا سکتا ہے۔ قارئین! اس تمہید سے ہم جس عبادت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں اس سے ہماری مراد ماہ "ذوالحجۃ الحرام" کی دسویں، گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو ہونے والی جانوروں کی قربانی کے بارے میں ہے جو ہر مسلمان بالغ مرد و عورت مالک نصاب پر واجب ہے۔ ان تین دنوں میں قربانی کے ذریعے حاصل ہونے والے ثواب کو سال کے کسی بھی دن کسی بھی وسائل سے کمایا نہیں جا سکتا۔ ان دنوں افضل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جانوروں کی قربانی پیش کی جائے۔ اس قربانی کے ذریعے نہ صرف ثواب کا ذخیرہ ہاتھ آتا ہے بلکہ لوگوں کو معاشی و معاشرتی اعتبار سے فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں جن کا ذکر ہم اس مضمون میں کرنے کی کوشش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **فصل لربك وانحر۔**
ترجمہ: تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ (الکوثر)

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے خوش دلی سے طالب ثواب ہو کر قربانی کی تو وہ آتش جہنم سے حجاب (یعنی روک) ہو جائے گی۔ (المعجم الکبیر، جلد:3 صفحہ:84 حدیث:2736)

اے فاطمہ! اپنی قربانی کے پاس موجود رہو کیوں کہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرے گا تمھارے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد:9، صفحہ:476 حدیث:19161)

قربانی عبادت کے ساتھ ساتھ لاکھوں لاکھ افراد کو کاروبار کا ذریعہ بھی فراہم کرتی ہے اور ملکی معیشت کو بھی اربوں

کریم گنج، پورن پور، پیلی بھیت یوپی۔ iftikharahmadquadri@gmail.com

روپے کا فائدہ پہنچاتی ہے یہی وجہ ہے کہ قربانی کے لیے بہت سے لوگ اپنے گھروں، باڑوں یا کیٹل فارمز میں جانور پالتے ہیں ان کی دیکھ بھال کے لیے ملازمین رکھے جاتے ہیں۔ کسان جانوروں کے چارے کے لیے کھیتی باڑی کرتا ہے۔ اگر جانور بیمار ہو جائے تو علاج کے لیے ڈاکٹرز سے مدد لی جاتی ہے۔ جانور بیچنے والے اسے بیچنے کے لیے منڈی لانے تک اور خریدار جانور کو اپنے گھر لے جانے کے لیے گاڑیوں کو کرایے پر لیتے ہیں۔ جانور کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانے کے لیے راستے میں حکومت کو ٹول ٹیکس ادا کیا جاتا ہے۔ منڈی میں جانور رکھنے کے لیے جگہیں کرائے پر لی جاتی ہیں۔ جانوروں کی حفاظت کے لیے ٹینٹ اور دیگر لوازمات کا کرایہ ادا کیا جاتا ہے، منڈی آنے والے افراد کے لیے منڈی میں مختلف کھانے پینے کے اسٹال لگائے جاتے ہیں۔ منڈی میں بچے اور بزرگ گھوم گھوم کر ماسک بیچ رہے ہوتے ہیں۔ جانوروں کو سجانے کے لیے سجاوٹ کا سامان خریدا جاتا ہے، چھری، چاقو تیز کرنے والوں کے کاموں میں تیزی آجاتی ہے۔ چھری، چاقو کی خرید و فروخت بڑھ جاتی ہے، قصابوں کو بھی تلاش کیا جارہا ہوتا ہے۔ قربانی کے بعد گوشت کو پکانے کے لیے مصالحہ جات کا استعمال، قربانی کے بعد لیدر انڈسٹری جانوروں کے کھالوں کی منتظر ہوتی ہے۔ قربانی کی کھالوں سے دینی مدارس اور فلاحی اداروں کو مالی مدد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے ایسے کاروبار ہیں جو عین قربانی کے دنوں میں عروج پر ہوتے ہیں جن کے ذریعے مال داروں کے ساتھ ساتھ زیادہ تر غریبوں اور مزدوروں کو فائدہ پہنچ رہا ہوتا ہے۔

قربانی سے جہاں ثواب کا ذخیرہ ہاتھ آتا ہے اور مالی مسائل حل ہوتے ہیں وہیں معاشرتی ماحول میں بھی درستگی آتی ہے۔ قربانی ہمیں بھائی چارگی اور اخوت کا پیغام بھی دیتی ہے جیسے قربانی کے جانور کی حفاظت میں دوست و احباب ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ قربانی کے وقت خاندان کے چند لوگ دوست و احباب اکٹھے ہوکر جانور کو نحر (ذبح) کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ جانور ذبح ہونے کے بعد کلیجی پکتی ہے جو گھر میں آئے مہمان ساتھ مل کر کھاتے ہیں۔ بعض مقامات پر پکی ہوئی کلیجی اپنے پڑوسیوں کو بھی بھجواتے ہیں جس سے ان کے دلوں میں خوشی پیدا ہوتی ہے۔ قربانی کے بعد گوشت بانٹنے کا سلسلہ ہوتا ہے جو ایک رشتہ دار کو دوسرے رشتہ دار سے، ایک امیر کو ایک غریب سے ملانے کا سبب ہے کیوں کہ بعض دفعہ مصروفیات کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے کئی کئی دن بلکہ کئی کئی مہینے تک نہیں مل پاتے۔ رشتہ داروں میں ایک دوسرے کو دعوتیں دی جارہی ہوتی ہیں۔ قربانی کا گوشت ایسے غریبوں کے گھر بھی پہنچ رہا ہوتا ہے جو پورے سال گوشت سے محروم رہتے ہیں اور گوشت دینے والا ان کی دعائیں لے رہا ہوتا ہے۔ یعنی قربانی معاشرے کے افراد میں ایک دوسرے کے لیے الفت و چاہت اور ادب و احترام پیدا کرنے، معاملات کو مشترکہ طور پر انجام دینے، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے، ایک دوسرے کو تحائف دینے اور صلہ رحمی کا بہترین ذریعہ ہے اور اس سے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اسی الفت اور باہمی تعلقات سے معاشرے تشکیل پاتے ہیں۔

قربانی نہ صرف اسلامی عقیدہ اور تہذیب کا حصہ ہے بلکہ اس کے ذریعے مسلمان اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دین اسلام میں قربانی کا عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے۔ قرآن و حدیث میں اس عبادت کا کئی بار ذکر آیا ہے۔ قربانی کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا، اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا اور دل و دماغ کی صفائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے جانور مقرر کیے ہیں تاکہ اللہ کے ذکر کے لیے ان پر اس کا نام لیا جائے۔ (الحج:34)

اسی طرح احادیث میں بھی قربانی کی اہمیت اور اس کے

فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قربانی کا خون کسی عمل سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ (ابن ماجہ) قربانی کا عمل ایک روحانی عبادت ہے جس کے ذریعے انسان اپنے اندر تقوی خشوع اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو بڑھاتا ہے۔ قربانی کے جانور کا خون اللہ تک نہیں پہنچتا بلکہ اس کے ذریعے انسان کا دل اور ذہن اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تیار ہوتا ہے۔ قربانی کا اصل مقصد اللہ کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرنا اور اس کی رضا کو حاصل کرنا ہے۔ قربانی کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی عیش وآرام سے دست بردار ہوکر اللہ کی رضا کے لیے اپنے مال کا ایک حصہ قربان کرتا ہے۔ قربانی کا نہ صرف فردی بلکہ اجتماعی سطح پر بھی اہم اثر ہوتا ہے۔ یہ معاشرتی ہم آہنگی، تعاون اور غربت کا خاتمہ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ قربانی کے گوشت کا بڑا حصہ غریبوں، یتیموں اور مساکین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس سے معاشرتی سطح پر غربت میں کمی آتی ہے اور غریب افراد کو عید کی خوشیوں کا حصہ ملتا ہے۔ قربانی کا عمل معاشی انصاف کو فروغ دیتا ہے اور معاشرتی فرق کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ قربانی کا عمل مسلم کمیونٹی کے درمیان محبت، تعاون اور ہم آہنگی کو فروغ دیتا ہے۔ عید الاضحیٰ کے دن مسلمان آپس میں مل کر گوشت تقسیم کرتے ہیں جس سے بھائی چارے اور اخوت کو تقویت ملتی ہے۔ قربانی کے ذریعے انسان شکر گزار بنتا ہے اور اپنے مال کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے جو کہ اخلاقی اعتبار سے ایک بہتر معاشرتی عمل ہے۔ اس کے ذریعے لوگوں میں تعاون اور مدد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ قربانی انسان کو ایثار کی تعلیم دیتی ہے۔ قربانی انسان کو سکھاتی ہے کہ دنیاوی مال و دولت کا تعلق عارضی ہے اور انسان کو اللہ کی رضا کے لیے اپنی خواہشات کو قربان کرنا چاہیے۔ اس سے انسان میں خود غرضی کی جگہ دوسروں کی مدد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ قربانی کا عمل انسان کو تکبر اور غرور سے بچاتا ہے کیوں کہ جب انسان اپنی جائیداد میں سے کچھ حصہ قربان کرتا ہے تو وہ اپنی دولت کے غرور سے چھٹکارا پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قربانی کرتے وقت تمام حقوق کا خیال رکھنے اور عزیز و اقارب کے ساتھ الفت و محبت رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ■■■

قربانی کے سماجی اور معاشرتی پہلو پر ایک نظر

از: سبطین رضا مصباحی، کشن گنج

مذہب اسلام میں دو قربانیاں بڑی اہم ہیں، ایک ماہ محرم الحرام میں دوسری ماہ ذی الحجہ میں، کیوں کہ اسلامی سال کی ابتدا قربانی سے ہوتی ہے جس میں دسویں تاریخ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا الم ناک واقعہ پیش آیا، انھوں نے دینِ متین کی دیواروں کو مضبوط کرنے کے لیے اپنی قربانی پیش کی، اور اسلامی سال کی انتہا بھی قربانی پر ہوتی ہے جس میں اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار قربانی ہے جنھوں نے اسلام کے بنیادی احکامات کو عمل کی قوت سے روشن و فروزاں کیا، جس میں ان کی یہ قربانی سرِ فہرست ہے جو عید الاضحیٰ کے موقع پر کی جاتی ہے، عید الاضحیٰ کے بے شمار فضائل ہیں اور تاریخِ انسانی میں حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے پیش کی گئی قربانی ایک منفرد اور بلند مقام رکھتی ہے، جس میں جاں نثاری، اطاعتِ خداوندی، محبت الٰہی، اخلاص و پرہیز گاری، اور استقامت دین مطلوب ہے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قربانی کا مقصد ہی یہی ہے کہ مسلمانوں کے اندر وہی اسلامی روح، ایمانی کیفیت، اور اخلاص و محبت کی وہی شان اور وہی جذبہ پیدا ہو جس کا مظاہرہ

حضرتِ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی انسان محض جانوروں کا خون بہانا ہی قربانی سمجھتا ہے اور اس کا دل اس کی روح سے خالی رہتا ہے جو قربانی میں مطلوب ہے تو وہ دکھاوا اور صرف خون بہانا ہے، اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا، کیوں کہ اللہ کے پیغمبر حضرتِ ابراہیم علیہ السلام طاعتِ الٰہی کے پیکر تھے آپ کی پوری زندگی استقامت دین سے لبریز اور سرشار تھی جن میں سرفہرست یہ عظیم قربانی ہے جو آپ کی عظیم ترین یادگار ہے اور اسی عظیم الشان قربانی کو تا قیامت امت محمدیہ کے لیے ایک فریضے کی شکل دی گئی تاکہ وہ بھی اطاعتِ خداوندی، اور خلوص و للّٰہیت کے ذریعے بارگاہِ الٰہی میں قرب حاصل کرے اور اسی میں امت محمدیہ کی معراج ہے۔

قربانی کے کچھ ایسے پہلو بھی ہے جن کی طرف توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے کیوں کہ قربانی اپنی معنویت اور روحانیت کے اعتبار سے الگ مقام رکھتی ہے، اس میں جہاں رشتے دار اور خاندان والوں کا جہاں تعاون ہے وہیں معاشرتی مسائل کا حل بھی ہے، جی ہاں! قربانی کے سماجی اور معاشرتی کے ایسے پہلو جن پر دھیان دینے سے قومِ مسلم کا سماجی ڈھانچہ مضبوط ہوگا اور معاشرتی مسائل بھی حل ہوں گے، بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قربانی کی اہمیت اور عظمت و بزرگی سمجھیں، اور دوسروں تک پہنچائیں اور اسے صرف رسم سمجھ کر نہ ادا کریں کیوں کہ مذہبِ اسلام میں رسم نام کی کوئی چیز نہیں ہے،

قربانی میں قومِ مسلم کے معاشرتی مسائل کے حل کے لیے عظیم پیغام ہے، قربانی معاشرتی مسائل کے حل میں دستورِ حیات ہے کہ اولا یہ بات ذہن میں بٹھالینی چاہیے کہ قربانی کا مقصد اصلی تقویٰ اور پرہیزگاری کا حصول ہے، لہذا اگر کوئی نیک عمل محض نام و نمود اور نمائش کے لیے کیا جائے تو وہ ہرگز قابلِ قبول نہیں چناں چہ سنت ابراہیمی ہمیں اس بات کا درس دیتی ہے کہ ہمارے اندر تقویٰ اور پرہیزگاری کا ہونا بہت ہی ضروری ہے کیوں کہ بندہ اسی کے ذریعے رب کا قرب حاصل کرتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یعنی کہ اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ ان کے خون ہاں تمھاری پرہیزگاری اس تک ضرور باریاب ہوتی ہے۔ (سورۂ حج، آیت نمبر: ۳۷)، لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ تقویٰ اور رضائے الٰہی کی نیت سے سنت ابراہمی کو بجالائے۔

اپنے معاشرے کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آج ہم کیا کررہے ہیں اور اپنی اولاد کو کیا سکھا رہے ہیں یہ سوچنے والی بات ہے، اس بات کے لیے قربانی ہمارے لیے عظیم نعمت ہے وہ اس طور پر کہ زندگی میں چاہے باپ کی شکل میں ہو یا بیٹے کی شکل میں دونوں صورت میں یہ قربانی ہمیں اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ ایک باپ کے لیے اپنی اولاد سے الفت و محبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت و تربیت میں موجود ہے، ایک بیٹے کے لیے اپنے والدین کی فرماں برداری، اور حکم خداوندی کی تابع داری حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کی سیرت میں موجود ہے، اور بنت حوا کے لیے حقوقِ زوجین کی بجاآوری حضرتِ ہاجرہ کے کردار میں ہے۔

بلاشبہہ اگر مسلم معاشرہ قربانی کو ان زاویوں سے دیکھے اور خود کو اسی کے مطابق ڈھالے تو قربانی کے ساتھ ساتھ قومِ مسلم کی معاشرتی مسائل کی اصلاح ہوجائے گی، کیوں کہ قربانی کے ذریعے ہمیں ایک باپ، اور بیٹے کی شکل میں اور بنت حوا کے لیے عمدہ رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ قربانی جہاں اللہ رب العزت سے قرب کا ذریعہ ہے وہیں اس کے سماجی مصرف کا تعاون بھی ہے۔

قربانی کے گوشت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس کے کے تین حصے کیے جاتے ہیں ایک حصہ گھر والوں کے لیے، ایک حصہ فقرا حضرات کے لیے، اور ایک حصہ دوست و احباب کے لیے، لیکن قربانی کی جامعیت اور معنویت کو دیکھیے کہ قربانی میں اپنے، اور فقرا اور دوست و احباب کا خیال رکھتے ہوئے یہ پیغام دنیا کو دیا جارہا ہے کہ اسلام میں ذات پات، رنگ و نسل کی کوئی اہمیت نہیں ہے، امیر و غریب سب برابر ہے اسلام سب کے حقوق کا ضامن ہے اور

خصوصاً قربانی کے گوشت کے ذریعے غریبوں لوگوں کی مدد اور مستحق لوگوں کا تعاون ہوجاتا ہے اس سے ہر کوئی عید کی خوشیوں میں شریک ہوسکتا ہے۔

قربانی کی خوب صورتی یہ ہے کہ اس کے ذریعے لوگوں میں خرید و فروخت کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانور لے جانے میں ضرورت مندوں کو مزدوری کا موقع مل جاتا ہے تو قربانی کے ذریعے معاشرے میں لوگوں کے لیے اپنی زندگی کے انتظام وانصرام کا بندوبست ہوجاتا ہے ۔

قربانی کا مقصد ہی یہی ہے لوگوں میں اونچ نیچ ختم ہوجائے، ہر طرح کا امتیاز مٹ جائے اور اس کے ذریعے اخوت و مساوات، پیار و محبت مزید پروان چڑھے اور قربانی میں اس کا عملی نمونہ بھی ہے کہ قربانی کے وقت سبھی لوگ حاضر ہوتے ہیں اور بڑے چھوٹے سب شریک ہوتے ہیں شرکا میں امیر و غریب بھی ہوتے ہیں نہ کوئی بڑا سمجھا جاتا ہے اور نہ کوئی چھوٹا، سبھی لوگ ایک ساتھ ہوتے ہیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ قربانی جہاں ایک فریضے کی ادائگی وہیں ہمارے سماجی افراد کا تعاون بھی ہے اور معاشرتی مسائل کا حل بھی ہے، بس ضرورت اس بات کی ہے کہ بندۂ مومن اپنے دل میں وہی جذبہ پیدا کرے جو حقیقت میں قربانی میں مطلوب ہے یعنی اس کے ذریعے اسلام و ایمان میں تازگی لائے، والدین کی فرماں برداری کرے، احکاماتِ خداوندی کو بجالانے میں خلوص کو ذہن میں رکھے، سماجی میں لوگو کا تعاون اور معاشرتی مسائل کا حل ڈھونڈے۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ہم سبھی کو قربانی کی نعمت سے مالا مال فرمائے اور اس کی معنویت اور اہمیت کی سمجھنے کی توفیق دے اور صحیح معنوں میں احکامِ خداوندی کو بجالانے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین.

□□□

(ص:37 کا بقیہ)-اگر آپ کو آتشک ہے تو:

• ماہر ڈاکٹر فوری طور پر اینٹی بائیوٹک علاج شروع کریں گے، جو بچے کے لیے مکمل طور پر محفوظ ہیں۔

• آپ کے جنسی ساتھی کو بھی ٹیسٹ اور علاج کی ضرورت ہوسکتی ہے تاکہ دوبارہ انفیکشن سے بچا جاسکے۔

• پیدائش کے بعد بچے کا معائنہ کیا جائے گا، اور اسے خون کے ٹیسٹ یا اینٹی بائیوٹک کی ضرورت ہوسکتی ہے تاکہ اس کی صحت کو یقینی بنایا جاسکے۔

نتائج کیسے حاصل کریں؟ سکریننگ ٹیسٹ کے نتائج آپ کی مڈوائف یا ڈاکٹر آپ کے ساتھ شیئر کریں گے:

منفی نتیجہ: اگر آپ کا نتیجہ منفی ہے تو آپ کی مڈوائف اگلے چیک اپ پر، جو عام طور پر 16 ہفتوں کے قریب ہوتا ہے، اس پر بات کرے گی۔ یہ نتیجہ آپ کے میڈیکل ریکارڈ میں بھی درج کیا جائے گا۔

مثبت نتیجہ: اگر آپ کا نتیجہ مثبت ہے تو ایک ماہر مڈوائف 10 دنوں کے اندر آپ سے رابطہ کرے گی۔ وہ نتائج کی تفصیلات بتائیں گی، مزید ٹیسٹ کریں گی، اور آپ کے ساتھ مل کر علاج اور نگہداشت کا منصوبہ بنائیں گی۔

احتیاطی تدابیر:

اگر آپ کا ٹیسٹ منفی آتا ہے، آپ کو حمل کے دوران انفیکشن سے بچنے کے لیے احتیاط کرنی چاہیے۔ کچھ اہم نکات یہ ہیں:

□ غیر محفوظ جنسی تعلقات سے گریز کریں اور کنڈوم کا استعمال کریں۔ □ اپنے جنسی ساتھی کے ساتھ کھل کر بات کریں اور ضرورت پڑنے پر دونوں ٹیسٹ کروائیں۔ □ اگر آپ کو کوئی علامت نظر آئے، جیسے کہ خارش، بخار، یا غیر معمولی تھکاوٹ، تو فوراً اپنے ڈاکٹر یا مڈوائف سے رابطہ کریں۔ □ اپنی صحت کے بارے میں باقاعدگی سے چیک اپ کرتی رہیں۔

□□□□□

نقد و نظر

مشاجرات صحابہ

تبصرہ نگار: مولانا فرحان المصطفیٰ نظامی مدنی

زیر نظر کتاب "مشاجرات صحابہ" مولانا عمران عطاری مدنی بنارسی کے پاکیزہ افکار کا ترجمان ہے، جو سنی پبلیکیشنز دہلی سے شائع ہے، اس کتاب میں موصوف محترم نے محققانہ لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے نہایت ہی نفاست کے ساتھ صحابۂ کرام کے مابین رونما ہونے والے منازعات و اختلافات کی نوعیت اور ان کی فنی و شرعی حیثیت کو کتب معتبرہ و مستندہ سے واضح کیا ہے کہ ان کے آپسی معاملات دین اسلام کو نقصان پہنچانے، اس کی بنیادوں کو متزلزل کرنے یا آپسی بغض و عناد کے باعث نہیں تھے بلکہ نزاعِ اجتہادی تھے، بہ لفظِ دیگر یہ کتاب محض تاریخی تجزیہ نہیں بلکہ دینی، شرعی اور صحیح نقطۂ نظر کی طرف رہنمائی کرنے والی اہم ترین دستاویز ہے۔

اس کے علاوہ! انھوں نے عقلی و نقلی دلائل کے ذریعے سے اس بات کو بھی واضح فرمایا ہے کہ ان کے اختلاف کو بے جا ہدف تنقید بنانا یا کسی بھی صحابی کو تختۂ مشق بنانا غیر اخلاقی و غیر شرعی عمل ہے، یوں ہی صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے اختلافات کو بے جا ہوا دے کر اہل سنت کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی ناپاک جسارت کرنے والے روافض اور روافض کے سہولت کاروں کو دلائل و براہین کی روشنی میں دندان شکن جواب دیا ہے۔

یعنی اس کتاب کے ذریعے روافض کے کھوکھلے دعوؤں کا مدلل اور مضبوط رد پیش کیا ہے، اور واضح کیا ہے کہ صحابۂ کرام کی عظمت اور ان کی قربانیاں دین اسلام کے لیے بے مثال ہیں، نیز انھوں نے ان تمام پروپیگنڈوں کو قرآن و حدیث کی روشنی میں علمی طور پر اُجاگر کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام کا رتبہ ہر مسلمان کے دل میں انتہائی بلند و بالا ہے۔ اس کتاب کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ موصوف محترم نے شان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں مستند احادیث اور ان پر ہونے والے اعتراض کا دفاعی رد بھی پیش کیا ہے۔

اس کتاب کی اہمیت اس لیے بھی اور بڑھ جاتی ہے کہ ابتدا میں علامہ عبدالمبین نعمانی مصباحی زید مجدہ کا ایک شان دار علمی و تحقیقی مقالہ بطور تقدیم منسلک ہے جو قلعۂ رافضیت میں آخری کیل ٹھونکنے کے مترادف ہے، اسی طرح مولانا حسان عطاری مدنی دامت فیوضہم، خیمۂ روافض سے اٹھنے والے اعتراض کہ "شان امیر معاویہ میں کوئی صحیح حدیث نہیں" کا شان دار جوابی مقالہ بھی شامل ہے جسے پڑھ کر معترضین کی فکروں کا قبلۂ اعتقاد درست ہو سکے گا۔

اس کتاب کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے مفتی ازہار امجدی ازہری رقم طراز ہیں:

"کتاب، اگرچہ مختصر ہے مگر بڑے ہی آسان لب و لہجے میں، موضوع سے متعلق رائج، تمام مباحث کا احاطہ کیے ہوئے ہے، دلائل و براہین سے مزین ہے۔ میرا ایقان کہتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان، اس کتاب کو دل سے پڑھ لے؛ تو ان شاء اللہ تعالیٰ، کبھی کسی صحابی کی توہین نہیں کرے گا اور نہ ہی ان کے آپسی مشاجرات میں دخل دے گا اور اگر کوئی بدعتی، ہدایت پانے کی غرض سے مطالعہ کرلے؛ تو ان شاء اللہ تعالیٰ"، وہ ہدایت پانے والوں میں سے ہوگا۔" (باقی ص: 31 پر)

صدائے بازگشت

تنقیدی اسلوب کا چلن جاری رہنا چاہیے

مکرمی! ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور مئی 2025 اپنی علمی اور دینی افکار سے لبریز قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے۔ سب سے پہلے جناب مہتاب پیامی صاحب کا اداریہ "بھلائی کے درخت" پڑھیں ابتداءً ہی آپ کو مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری صاحب کی علمی فکری اور دینی توانائیوں کا علم ہو جائے گا۔ پھر آپ اسی ماہ نامہ کے صفحہ نمبر 21-20 کا مطالعہ کریں، اس میں مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری صاحب کی رائے پر جو پکڑ کی ہے اسے بغیر کسی لیت و لعل کے اسی ماہ نامہ میں جگہ دی گئی جس کے کالم نگار ازہری صاحب خود بھی ہیں۔

ماہ نامہ اشرفیہ میں اس گرفت کو جگہ دینا اچھی پہل ہے اور اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ کسی مؤقر عالم کی رائے پر علمی گفتگو کے ذریعے گرفت کی جا سکتی ہے۔ اخلاقی حدود میں رہ کر ان کی باتوں کی تردید کی جا سکتی ہے۔

مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری صاحب اتنے خوش اخلاق اور ملنسار ہیں کہ انھیں بھی اس پر کوئی شکوہ و شکایت نہیں ہے البتہ دکھ اس بات کا ضرور ہوگا کہ اصلاح کے نام پر استہزا اور غیر عالمانہ لب و لہجہ استعمال کیا جاتا ہے۔ عام تو عام خاص بھی ایسے الفاظ کا استعمال کر جاتے ہیں جو صلاحیت مند اور باعمل عالم تو دور ایک مسلمان کو بھی زیب نہیں دیتا۔

حق تنقید جس قوم اور تنظیم کے درمیان روا اور جائز ہے ان کے درمیان خرابیاں جنم لیتے ہی ختم ہو جاتی ہیں کیوں کہ دوسرا فوراً گرفت کرتا ہے۔ لیکن جہاں بولنے کی آزادی چھینی جاتی ہو اور چہرہ دیکھ کر باتوں کو سند کا درجہ دیا جاتا ہو، گرفت کرنے والوں کا جینا دو بھر کیا جاتا ہو، وہاں پر خرابیاں جنم لیتی ہیں، رفتہ رفتہ پروان چڑھتی ہیں اور پھر وہ ضروری جز بن کر معاشرہ میں متعارف ہو جاتی ہیں جنھیں ختم کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے جیسا ہو جاتا ہے۔ اس لیے تنقیدی اسلوب کا چلن روا رکھنا چاہیے تاکہ خرابی جنم لینے کے ساتھ ختم ہو جائے ورنہ اس کے نقصاناتِ دیرپا بسا اوقات دائمی ہو جاتے ہیں۔

از: محمد شارق رضا کوشامبی

ماہ نامہ اشرفیہ میں اشاعت اعزاز کی بات ہے

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

باعرضِ ادب و محبت گزارش ہے کہ آپ کا شان دار ماہنامہ "اشرفیہ" تواتر سے میرے مطالعے میں رہتا ہے۔ یہ ماہنامہ اپنے علمی، دینی، ادبی اور فکری مضامین کی بدولت اہلِ سنت کی ترجمانی کا حق ادا کر رہا ہے۔ اس کے ہر شمارے میں عقیدے کی پختگی، فکری رہنمائی اور اصلاحِ معاشرہ کا جذبہ نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے۔

خصوصی طور پر میرا مضمون "غزہ: دورِ جدید کا کربلا اور انسانی حقوق کا بحران" جو شمارہ مئی 2025 میں شائع ہوا، اُس کی اشاعت پر میں دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہ میرے لیے ایک اعزاز اور حوصلہ افزا تجربہ ہے کہ ماہنامہ اشرفیہ جیسے معیاری اور باوقار رسالے نے میرے مضمون کو شائع کرنے کے قابل سمجھا۔ اسی ضمن میں میری ایک اور عاجزانہ گزارش ہے کہ میرا نیا مضمون "اسرائیل میں آگ: حکومت کی لاپرواہی یا قدرت کا انتقام؟" بھی قابلِ توجہ ہے۔ اگر ادارہ اشرفیہ اسے آئندہ شمارے میں شائع فرما دے تو یہ میرے لیے ایک اور شکریہ کا موقع اور

اعزاز ہو گا۔ یہ مضمون موجودہ عالمی حالات کا تجزیاتی و فکری جائزہ پیش کرتا ہے، جو قارئین کے لیے نہایت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

میں ادارہ اشرفیہ، بالخصوص مدیرِ اعلیٰ اور ادارتی ٹیم کا تہ دل سے مشکور ہوں کہ انھوں نے میرے سابقہ مضمون کو شاملِ اشاعت کر کے نہ صرف میرے قلم کی پذیرائی کی بلکہ مظلومانِ غزہ کے درد کو ایک دینی اور علمی پلیٹ فارم کے ذریعے عام قارئین تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ماہنامہ اشرفیہ کو مزید علمی، روحانی اور فکری بلندیوں سے سرفراز فرمائے اور یہ رسالہ اہلِ سنت کا نمائندہ ترجمان بن کر ہمیشہ دین و ملت کی خدمت کرتا رہے۔ دعاؤں کے ساتھ — خادمِ علم و قلم

مسرور عالم قادری مصباحی

ڈائریکٹر جامعہ حافظ ملت

عزت اور غیرت کے بدلتے معیارات

مکرمی! اگر تاریخ کے دبیز پردوں کو اٹھایا جائے اور تمدن کے تغیرات کا باریک بینی سے تجزیہ کیا جائے، تو معلوم ہو گا کہ عزت اور غیرت کے تصورات ہر دور میں محض معاشرتی سانچوں کے تابع رہے ہیں۔ یہ وہ تصورات ہیں جن کی ماہیت کسی ازلی و ابدی حقیقت کی حامل نہیں بلکہ ہر عہد کے فکری مزاج، سماجی رویوں اور تمدنی اقدار کے زیرِ اثر مسلسل تغیر پزیر رہی ہے۔ آج روایتی تصورات کی معنویت پر سوالیہ نشان ثبت کیے جا رہے ہیں، عزت اور غیرت بھی کسی جامد و غیر متغیّر حقیقت کے بجائے محض سوشل کنسٹرکٹس کے روپ میں جلوہ گر ہو چکے ہیں، جن کی تشکیل کسی حتمی اصول کے تحت نہیں بلکہ معاشرتی ضرورتوں سیاسی میلانات اور فکری انقلابات کی آماجگاہ میں ہوتی ہے۔

اگر قدیم عربی و فارسی متون کی روشنی میں دیکھا جائے تو عزت کا مفہوم جلالِ سلاطین، وقارِ علما، اور فصاحتِ خطبا کی مثلث میں محصور نظر آتا ہے۔ غیرت وہ آتشیں جذبہ تھا جو خون کے جوش، ناموس کے تحفظ اور اقدار کے استحکام سے عبارت تھا۔ مگر جدید دور میں عزت و غیرت کی یہ کلاسیکی تعریفیں اپنی معنوی تہ داری سے محروم ہو کر محض ظاہری علامتوں میں سمٹ چکی ہیں۔ وہ غیرت جو کسی وقت دستار کی بلندی میں پنہاں تھی، آج برانڈڈ لباس اور سوشل میڈیا کی نمود و نمائش میں تبدیل ہو چکی ہے۔

معاشرتی علوم کے جدید نظریات، خاص طور پر فوکو، دریدا اور بودریار جیسے مابعد جدیدیت کے مفکرین، ہمیں باور کراتے ہیں کہ عزت اور غیرت اب کسی جوہری حقیقت کے بجائے علامتی سرمایے (Symbolic Capital) میں ڈھل چکے ہیں۔ سوشل میڈیا کے عہد میں عزت وہ ہے جو لائکس، شیئرز اور فالوورز کی تعداد سے ماپی جائے، جب کہ غیرت وہ جو محض ڈیجیٹل مباحث میں گرجنے برسنے تک محدود رہے۔ فکری افلاس کی اس فضا میں، جہاں ہر چیز کو مارکیٹ کے اصولوں پر پرکھا جاتا ہے، وہاں عزت اور غیرت بھی اب تجارتی مال کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

یہی وہ بنیادی تبدیلی ہے جو قدیم اور جدید معاشرتی نفسیات کے مابین ایک غیر مرئی لکیر کھینچ دیتی ہے۔ وہ غیرت جو کبھی خاندانی ورثے کی حرارت میں نمو پاتی تھی، اب محض سوشل میڈیا کے ٹرینڈز کی حد تک محدود ہو چکی ہے۔ عزت جو کبھی علم و وقار کی میزان پر تولی جاتی تھی، اب محض ظاہری چمک دمک اور سوشل سرکل کی وسعت پر منحصر ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی عزت اور غیرت کی کوئی حقیقی ماہیت ہے، یا یہ محض سماجی اور ثقافتی مظاہر ہیں جو ہر دور میں نئے مفہومات کے قالب میں ڈھلتے رہے ہیں؟

ابنِ خلدون کی مقدمہ نویسی ہمیں بتاتی ہے کہ تمدن کے عروج و زوال میں نظریات کی ماہیت بھی بدلتی ہے۔ آج عزت و غیرت کے تصورات کی یہ نرمی اور تغیر شاید اسی اجتماعی نفسیات کی علامت ہے جو صنعتی و تکنیکی انقلاب کے زیرِ اثر اپنے روایتی ڈھانچوں سے نکل کر نئی تشکیلات میں داخل ہو چکی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا ہم اس تبدیلی کو قبول کریں، یا پھر کسی تہذیبی ردِ عمل کے ذریعے ان تصورات کی اصل معنویت کی بازیافت کی کوشش کریں؟

از: محمد شاہد رضا نعمانی

*

ہندپاک سفارتی کشیدگی: ہندوستان کا پاکستان کے خلاف متعدّد اقدامات کا اعلان

ہندپاک کے مابین سفارتی کشیدگی کے دوران ہندوستان نے پاکستان کے خلاف اگلے درجے کے اقدامات کا اعلان کیا۔ پہلگام دہشت گردی حملے کے بعد کیے گئے ان اقدامات میں بگلیہار ڈیم سے پانی کے بہاؤ کو محدود کرنا اور پاکستانی جہازوں کو بندرگاہوں پر لنگرانداز ہونے سے روکنا شامل ہے۔

یہ اطلاعات اتوار کو دی انڈین ایکسپریس نے دیں۔ یہ اقدامات اس وقت سامنے آئے ہیں جب پاکستان نے سنیچر کو اپنی سطح سے سطح پر مار کرنے والی میزائل ''ابدالی وپن سسٹم'' کا کامیاب تجربہ کیا، جس کی رینج 450 کلومیٹر ہے۔ یہ تجربہ فوجی مشق ''ایکسر سائزانڈس'' کے تحت کیا گیا۔

ایک نامعلوم اہلکار نے دی انڈین ایکسپریس کو بتایا کہ جموں و کشمیر کے رام بن ضلع میں دریائے چناب پر واقع بگلیہار ڈیم کے سلیوس سپل وے کے دروازے نیچے کر دیے گئے ہیں تاکہ پاکستانی پنجاب کو جانے والے پانی کے بہاؤ کو محدود کیا جا سکے۔ یہ ایک ''قلیل مدتی سزائی کارروائی'' ہے۔ دریائے چناب کا پانی پنجاب کے کھیتوں کو سیراب کرتا ہے، اور پاکستان کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ ہم ہر محاذ پر انھیں سزا دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' واضح رہے کہ پہلگام حملے کے ایک دن بعد، ہندوستان نے سندھ طاس معاہدے کو معطل کر دیا تھا۔ اس معاہدے کے تحت دریائے سندھ اور اس کی معاون ندیاں دونوں ممالک کے درمیان منصفانہ طور پر تقسیم کی گئی تھیں۔

اس کے علاوہ پاکستان کے میزائل ٹیسٹ کے چند گھنٹوں بعد، ہندوستان نے پاکستانی پرچم والے جہازوں کو اپنی بندرگاہوں پر آنے سے روک دیا۔ یہ پابندی 1958 کے مرچنٹ شپنگ ایکٹ کی دفعہ 411 کے تحت لگائی گئی ہے، جو حکومت کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ قومی مفاد یا ہندوستانی شپنگ کے مقاصد کے لیے جہازوں کو ہدایات دے سکتی ہے۔ یونین وزارت برائے بندرگاہیں، جہاز رانی اور آبی راستوں کے ایک حکم نامے کے مطابق، ''پاکستانی پرچم والا کوئی جہاز ہندوستانی بندرگاہ پر نہیں آئے گا، اور نہ ہی کوئی ہندوستانی پرچم والا جہاز پاکستانی بندرگاہوں پر جائے گا۔'' جواب میں، پاکستان نے بھی ہندوستانی پرچم والے جہازوں کو اپنی بندرگاہوں پر آنے سے روک دیا۔ مزید یہ کہ نئی دہلی نے سنیچر کے روز پاکستان سے ہو کر آنے والی تمام اقسام کی ڈاک اور پارسلز کے تبادلے کو ہوا اور زمینی راستوں سے معطل کر دیا۔ ساتھ ہی پاکستان سے آنے یا وہاں سے گزرنے والی تمام اشیا کی درآمد پر پابندی لگا دی۔

ہندوستانی اقدامات کے جواب میں پاکستان نے بھی متعدّد اقدامات کا اعلان کیا۔ جس میں ۱۹۷۲ء کے شملہ معاہدے کی معطلی ہے، اس معاہدے کے تحت، کنٹرول لائن کو تسلیم کیا گیا تھا۔ دہشت گردی کے حملے کے بعد سے، پاکستانی فوج نے کنٹرول لائن پر جنگ بندی معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فائرنگ کی جس کے جواب میں ہندوستانی فوج نے بھی کارروائی کی ہے۔

**

خیر و خبر

الجامعۃ الاشرفیہ میں عرس صدر الشریعہ

یکم مئی بروز جمعرات وطن عزیز اور عالم اسلام کی ممتاز دینی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ میں عرس صدر الشریعہ بدر الطریقہ استاذ الاساتذہ و مربی جلالۃ العلم حضور حافظ ملت، محدث مراد آبادی، مصنف بہار شریعت، مفتی امجد علی اعظمی علیہا الرحمۃ والرضوان کی مناسبت سے مرکزی جامع مسجد عزیز المساجد میں بعد نماز فجر قرآن خوانی نعت و بیان اور ایصال ثواب کی محفل کا انعقاد کیا گیا۔ محفل کا آغاز جامعہ کے متعلم محمد تحسین رضا ساؤتھ افریقہ کی تلاوت قرآن کریم سے ہوا، نعت خوانی کے بعد بدر الفقہاء مفتی بدر عالم مصباحی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر مختصر اور جامع خطاب فرمایا۔

دوران خطاب آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ نے ہی جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہما الرحمۃ والرضوان کی تعلیم و تربیت کے بعد مبارک پور کی سرزمین پر خدمت دین کے لیے مامور فرمایا جس کے نتیجے میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور آج تک ان کے علمی اور عملی فیضان سے سرشار ہو رہا ہے

آپ نے دوران خطاب ابتدائی دور میں جامعہ اشرفیہ میں خدمت دین پر مامور حضرت علامہ مولانا سید شمس الحق گجہڑوی علیہ الرحمۃ والرضوان اور دیگر علما کی بے لوث قربانیوں کا بھی تذکرہ کیا۔ اخیر میں آپ نے ملک کے موجودہ حالات اور بالخصوص وقف بل کے حوالے سے طلبۂ جامعہ کو مفید ہدایات دیں۔

اس مبارک موقع پر طلبۂ جامعہ کی ایک بڑی تعداد اور اساتذۂ کرام دامت برکاتہم العالیہ موجود رہے۔ بالخصوص مفتی زاہد علی سلامی، مولانا صدر الوریٰ مصباحی، مفتی محمد نسیم مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا جنید مصباحی، مولانا ارشاد احمد مصباحی، مولانا ندیم مصباحی، مولانا زبیر مصباحی، مولانا عبد المنان مصباحی وغیرہ کثیر تعداد میں اساتذۂ کرام نے شرکت کی سعادت حاصل کی اور ایصال ثواب کے بعد محفل کا اختتام ہو گیا

پریس ریلیز: تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور

مدرسہ رضویہ عزیز العلوم بنارس میں
حضور صدر الشریعہ و تاج الشریعہ کی یاد میں محفل کا انعقاد

6ذی قعدہ 1446ھ مطابق 5 مئی 2025بروز پیر مدرسہ رضویہ عزیز العلوم چھتن پورہ بنارس میں حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی (مصنف بہار شریعت)اور وارث علومِ اعلیٰ حضرت جانشین حضور مفتی اعظم ہند حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان ازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے عرس کی مناسبت سے ایک مختصر سی محفل منعقد ہوئی۔ محفل کا آغاز درجہ حفظ کے طالب علم حافظ محمد دانش کی تلاوت سے ہوا۔ مدرسے کے طالب علم حافظ محمد آصف، عبد الخالق اور محمد گلریز نے نعت و منقبت کے اشعار پڑھ کر تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ مدرسہ کے استاذ مولانا حافظ محمد صالح اعظم حمیدی نے حضور صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی و حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی حیات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ صدر الشریعہ و تاج الشریعہ شریعت و طریقت کے پابند تھے،

ان کے دل میں تقویٰ اور خشیت الٰہی، اللہ کی طرف سے ودیعت کردی گئی تھی۔ انھوں نے مزید بتایا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اپنے تلمیذ صدر الشریعہ پر بہت اعتبار کرتے تھے یہاں تک کہ لوگوں کو نمازیں درست کرنے کے لیے صدرالشریعہ کی بارگاہ میں جانے کا حکم دیا کرتے تھے۔

اس موقع پر ادارے کے پرنسپل مولانا احمد علی اعظمی چریاکوٹی، مولانا عبدالمالک مصباحی، مفتی ذکی احمد مصباحی، مولانا آصف جمال مصباحی، مولانا شمیم احمد اشرفی، مولانا غلام محی الدین رضوی، مولانا اظہار الحسن برکاتی، مولانا عبدالحی رضوی، مولانا صالح اعظم، مولانا ہاشم وغیرہ اساتذہ وطلبہ نے شرکت کی۔ محفل کا اختتام مولانا عبدالمالک مصباحی استاذ مدرسہ رضویہ عزیزالعلوم کی دعا پر ہوا۔

از: اعجاز احمد رضوی مصباحی

استاذ مدرسہ رضویہ عزیزالعلوم، چھتن پورہ، بنارس۔

۱۰/ دنوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز تقریر کے ۶۴/ واقعات، مہاراشٹر سرفہرست

پہلگام میں دہشت گردانہ حملے کے 10 دنوں میں ہندوستان بھر میں مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز تقریر کے 64 واقعات درج کیے گئے ہیں جن میں مہاراشٹر سرفہرست ہے۔ ان واقعات کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف تشدد کو ہوا دی گئی ہے۔

پہلگام دہشت گردانہ حملے کے بعد پورے ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیزی کا سلسلہ جاری ہے۔ اس ضمن میں انڈیا ہیٹ لیب (آئی ایچ ایل) کی حالیہ رپورٹ میں انکشاف ہوا ہے کہ 22 اپریل سے 2 مئی کے درمیان، ملک کی 9 ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام جموں کشمیر میں نفرت انگیز تقاریر کے 64 واقعات ریکارڈ کیے گئے جن میں مہاراشٹر سرفہرست ہے۔ یہ واقعات مسلمانوں کے خلاف نفرت اور دھمکی کی ایک مربوط ملک گیر مہم کے بعد ہوئے ہیں، جسے پہلگام حملے کے بعد ہندو انتہائی دائیں بازو کے گروپوں نے شروع کیا تھا۔

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ان میں سے زیادہ تر ریلیاں ہندو قوم پرست گروپوں جیسے وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل، انتراشٹریہ ہندو پریشد، راشٹریہ بجرنگ دل، ہندو جن جاگرتی سمیتی، سکل ہندو سماج، ہندو راشٹر سینا، اور ہندو رکشا دل نے منعقد کیں۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''یہ گروہ فرقہ وارانہ کشیدگی کو ہوا دینے اور تشدد، سماجی اخراج اور معاشی بائیکاٹ کے مطالبات کو متحرک کرنے کے لیے اس سانحہ کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔''

مہاراشٹر میں نفرت کے سب سے زیادہ 17 واقعات درج کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد اتر پردیش (13)، اتراکھنڈ (6)، ہریانہ (6)، راجستھان (5)، مدھیہ پردیش (5)، ہماچل پردیش (5)، بہار (4) اور چھتیس گڑھ (2) ہیں۔ رپورٹ میں اس جانب خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے کہ مقررین نے مسلمانوں کے خلاف اس قدر زہر افشانی کی کہ انھیں ''سبز سانپ''، ''سور''، ''حشرات'' اور ''پاگل کتا'' کہا گیا۔

رپورٹ کے مطابق 23 سے 29 اپریل کے درمیان اتر پردیش، ہریانہ، بہار، ہماچل پردیش اور مہاراشٹر جیسی ریاستوں میں نفرت انگیز تقریر کے متعدّد واقعات ہوئے۔ انتہائی دائیں بازو کی شخصیات، بشمول بی جے پی ایم ایل اے نند کشور گرجر اور ہندو قوم پرست گروپوں کے ارکان نے مسلمانوں کے لیے مغلظات کا استعمال کیا، ان کے معاشی اور سماجی بائیکاٹ کا مطالبہ کیا، تشدد پر اکسایا، اور ہندوؤں پر زور دیا کہ وہ خود کو مسلح کریں۔ کئی ریلیوں میں، مقررین نے مسلمانوں کو ملک بدر کرنے اور انھیں پاکستان اور بنگلہ دیش سے جوڑنے والے سازشی نظریات پھیلانے کی دھمکی دی۔ رپورٹ میں بتایا گیا کہ نفرت انگیز تقاریر کی لہر مسلمانوں کو نشانہ بنانے والے نفرت انگیز جرائم اور تشدد میں پریشان کن اضافہ ہے۔ آئی ایچ ایل محققین نے مشاہدہ کیا ہے کہ ان میں سے زیادہ تر نفرت انگیز تقریر کے واقعات یا تو لائیو اسٹریم کیے گئے تھے

یا ریکارڈ کیے گئے تھے اور انھیں فیس بک، انسٹاگرام، یوٹیوب یا ایکس جیسے پلیٹ فارمز پر اپ لوڈ کیے گئے تھے، جس سے ان کے اثرات کو نمایاں طور پر بڑھایا گیا اور لاکھوں ناظرین تک ان کی رسائی کو بڑھایا گیا۔ رپورٹ میں نشاندہی کی گئی کہ "ایسے مواد کا تیزی سے پھیلنا، آن لائن نفرت اور آف لائن تشدد کے درمیان خطرناک تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔"

ملک بھر میں بتی گل احتجاج

ملک بھر میں بتی گل احتجاج غیر معمولی طور پر کامیاب رہا۔ 30 اپریل کی شب ہونے والے اس احتجاج کی تصاویر اور ویڈیوز جو دوسرے دن تک شیئر ہو رہے ہیں، ان سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ مسلمانوں میں وقف قانون کے خلاف کس قدر غم و غصہ ہے اور وہ اپنے حق کے لیے متحد ہوکر احتجاج کرنا جانتے ہیں۔ ممبئی، لکھنؤ، دہلی اور حیدر آباد سمیت ملک کے متعدّد شہروں سے ملنے والی اطلاعات اور تصاویر سے واضح ہو رہا ہے کہ مسلمانوں نے اس انوکھے احتجاج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور حکومت تک واضح پیغام پہنچایا کہ وہ وقف قانون کے سلسلے میں اپنے قدم پیچھے ہٹالے۔

اس احتجاج کا اثر شمالی ہند کے مسلم اکثریتی شہروں کے ساتھ ساتھ کئی دیگر شہروں میں بھی نظر آیا۔ خاص طور راجدھانی دہلی میں تمام مسلم اکثریتی علاقوں میں رات ۹/ بجے بتی گل کردی گئی تھی۔ دہلی کے شاہین باغ، جامع مسجد، ذاکر نگر اور اطراف میں یہ احتجاج واضح طور پر نظر آیا۔ یہاں برادران وطن کی بھی بڑی تعداد نے مسلمانوں کا ساتھ دیا اور احتجاج میں اپنی دکانوں یا مکانات کی بتی ۱۵/ منٹ کے لیے بند کردی۔

ایم آئی ایم کے سربراہ اور رکن پارلیمنٹ اسد الدین اویسی نے حیدر آباد کی بتی گل کا ویڈیو اپنے ایکس اکاؤنٹ پر پوسٹ کیا اور لکھا کہ شہر کے مسلمانوں نے نہایت متحدہ انداز میں احتجاج درج کروایا ہے۔ اویسی نے ساتھ ہی حیدر آباد شہر کی اور اپنی پارٹی کے صدر دفتر والے علاقے دارالسلام کی بھی کئی ویڈیو اور تصاویر شیئر کی ہیں۔ انھوں نے لکھا کہ ملک کا مسلمان قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے جمہوری طریقے سے اپنا احتجاج درج کروانا جانتا ہے اور بتی گل احتجاج اس کی ہی ایک کڑی ہے۔

دہلی اور حیدر آباد کے علاوہ ممبئی، احمد آباد، بنگلور، کولکاتا، لکھنؤ، مراد آباد، میرٹھ، اورنگ آباد، پونے، تروانت پورم، کوچی، وائناڈ، منگلور، چنئی اور دیگر شہروں میں بھی اس احتجاج کا واضح اثر رہا۔ کئی علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی آبادی قابل لحاظ ہے وہاں 9 سے سوا 9 بجے کے درمیان اندھیرا ہو گیا تھا۔ اس دوران مقامی مسلمان سڑکوں پر نکلے لیکن انھوں نے کوئی احتجاج یا نعرے بازی کرنے کے بجائے ماحول کو نہایت پرسکون رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس دوران برادران وطن نے بھی مسلمانوں کا کھل کر ساتھ دیا۔

زعیم العلما کوچنگ سینٹر کے 48 فرزند جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے نوداخل طلبہ میں شامل

17 شوال المکرم 1446ھ بمطابق 16 اپریل 2025ء کی تاریخ زعیم العلما کوچنگ سینٹر بائسی، پورنیہ (واقع: دار العلوم مفتی اعظم بائسی، پورنیہ) کے اراکین و منتظمین اور اساتذہ کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ثابت ہوئی کہ اسی شام کوچنگ سینٹر کے 48 فرزند چمنستان حافظ ملت باغ فردوس جامعہ اشرفیہ مبارک پور عربی یونیورسٹی کے نوداخل طلبا میں شامل ہوئے۔

چوتھے ہی مرحلے میں کوچنگ سینٹر کی یہ غیر معمولی کامیابی یقیناً قابل رشک ہے، یہ بلا مبالغہ ادارہ کے اساتذہ اور اراکین و معاونین کی شبانہ روز جدوجہد اور خلوص نیت ہی کا نتیجہ ہے۔

رب کریم کی بارگاہ میں ہے کہ مولیٰ تعالی سب کو عالم باعمل اور دین و ملت کا سچا پکا خادم بنائے آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

از: محمد شاداب رضا عروج مصباحی

■■■

خیابان حرم

ربط ضبط

ایمان سے یقین و عقیدت سے ربط ضبط
میرے شعور کا ہے شریعت سے ربط ضبط

کرتی ہے مصطفیٰ میں وہی نقص کی تلاش
جس عقل کا ہے قعرِ مذلت سے ربط ضبط

اُس آنکھ پر ہے آنکھ رسالت مآب کی
جس آنکھ کا ہے اشکِ ندامت سے ربط ضبط

دیکھے ہیں میں نے ان کی عطا کے عجائبات
ہے میری عقلِ خام کا حیرت سے ربط ضبط

یوں ہی نہیں ہے اس کو نبی کا شکم نصیب
ہے سنگ کا وجودِ قناعت سے ربط ضبط

ہو ان کے امتی تو محبت کرو میاں
بے سود ہے،فضول ہے نفرت سے ربط ضبط

ہے اُن سے ربط ضبط میں خود رحمتِ رسول
رکھتے ہیں جو رسول کی رحمت سے ربط ضبط

بہرِ مدد حضور چلے آیئے کہ بس
ہر دن ہے ایک تازہ قیامت سے ربط ضبط

خود اپنا احتساب ضروری ہے آج کل
ہیں بے عمل تو کیوں نہ ہو آفت سے ربط ضبط

مہتابؔ ہوں! یہ خاص کرم ہے حضور کا
رکھنا نہیں مجھے کسی ظلمت سے ربط ضبط

مہتاب پیامی

-*-*-*-*-

سرکارِ کائنات کی بعثت سے ربط ضبط
ہر شے کا ہے نبی کی ولادت سے ربط ضبط

دل کو مرے امید کی حد تک یقین ہے
وہ جوڑ دیں گے میرا ابھی جنت سے ربط ضبط

قربان جائے کیوں نہ دعا اس کے نام پر
جس نے بڑھا دیا ہے اجابت سے ربط ضبط

عشقِ نبی سے ایماں ہے مربوط اس طرح
پھولوں کا جیسے ہوتا ہے نکہت سے ربط ضبط

نسبت جو ان کی خاک نشینوں کو مل گئی
گمناميوں کا ہو گیا شہرت سے ربط ضبط

آلامِ روزگار بگاڑیں گے ان کا کیا
"رکھتے ہیں جو رسول کی رحمت سے ربط ضبط"

ارشادؔ نعت لکھو مگر یہ رہے خیال
ہر لفظ کا ہو ان کی محبت سے ربط ضبط

ارشاد مبارک پوری

-*-*-*-*-

رکھتے نہیں کبھی وہ بخالت سے ربط ضبط
جن کا بھی ہے حضور کی خصلت سے ربط ضبط

ان سب کا ہوگا آپ کی نصرت سے ربط ضبط
جن کا رہے گا آپ کی سنت سے ربط ضبط

رکھے گا جو بھی انکی ہدایت سے ربط ضبط
محشر میں ہوگا اسکا شفاعت سے ربط ضبط

مظہرؔ رہیں گے دور وہ کلفت سے ہر گھڑی
"رکھتے ہیں جو حضور کی رحمت سے ربط ضبط"

مظہر چشتی

-*-*-*-*-

اللہ کے رسول کی سنت سے ربط ضبط
مقصد ہو زندگی کا شریعت سے ربط ضبط

شبہہ کوئی نہ آئے کبھی بھی دماغ میں
رکھو رسولِ پاک کی عظمت سے ربط ضبط

مٹ جائیں گے تمھاری لیے سارے فاصلے
دل کا اگر ہے شوقِ زیارت سے ربط ضبط

کترا کے دور ان سے نکلتی ہیں مشکلات
"رکھتے ہیں جو حضور کی رحمت سے ربط ضبط"

فضل و کرم کا سایہ ہو اس پر بھی یا نبی
ہے نور کا بھی آپ کی مدحت سے ربط ضبط

ماسٹر نور الہدیٰ نور

-*-*-*-*-

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)

JULY 2025

(Mob. No.) 9450109981 (Mumbai Office) 022-23726122 (Delhi Office) Tel. 011-23268459, Mob.No. 9911198459

www.aljamiatulashrafia.org Email: info@aljamiatulashrafia.org

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا علمی فیضان ہندوستان گیر ہی نہیں بلکہ اب عالم گیر ہوگیا ہے۔ اشرفیہ نے جس برق رفتاری سے ارتقائی منزلیں طے کی ہیں اشرفیہ کے معاونین اور دیگر اہلِ خیر اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس وقت دو سو پچاس سے زائد افراد پر مشتمل ایک متحرک اور فعال اسٹاف اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے اور مختلف شعبوں میں تقریباً گیارہ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بیرونی طلبہ کی خوراک، رہائش اور اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں پر ایک خطیر رقم سالانہ خرچ کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ادارہ بجا طور پر اہلِ خیر حضرات کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ والسلام

عبدالحفیظ عفی عنہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

DONATION

You can make donation by cheque, Draft or by online in the favour of-

(For Education) برائے تعلیمی چندہ	(For Construction) برائے تعمیری چندہ
(1) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Central Bank of India** **A/C 3610796165** IFSC. Code: CBIN 0284532	(1) Aljamiatul Ashrafia **Central Bank of India** **A/c 3610803301** IFSC. Code: CBIN 0284532
(2) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Union Bank of India** **A/C 303001010333366** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301	(2) Aljamiatul Ashrafia **Union Bank of India** **A/c 303002010021744** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301
(3) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Punjab National Bank** **A/c 05752010021920** IFSC. Code : PUNB0057510	(3) Aljamiatul Ashrafia **Punjab National Bank** **A/c 05752010021910** IFSC. Code : PUNB0057510

(1)- Exempted u/s 80G, (5) (VI), of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa.Ayukt/Gkp/80G, Redg. S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f A.Y 2012-13 (F.Y.2011-12)
(2)- Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12

BHIM
BHARAT INTERFACE FOR MONEY

BHIM UPI Payments Accepted at
Darul Uloom Ahle Sunnat
Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Account Number : 3610796165, IFSC Code: CBIN0284532

SCAN & PAY ANY UPI SUPPORTED APPS

Only for Foreign Countries. FCRA Registration. No.236250051 Nature: Educational Social. For Account Detail, please visit http://aljamiatulashrafia.in/donation.php?lang=EN